نمل
نمرہ احمد
قسط نمبر 29
Mega Episode
آبدان
"The Aquarium"
شہ مات
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نمل (نمرہ احمد)

#MegaEpisode

قسط نمبر 29:

''آبزیدان'' (حصہ دوم)

کچھ اور بڑھ گئے جو اندھیرے تو کیا ہوا

مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

مور چال پہ رات طویل ہوتی جا رہی تھی۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ ایسے میں حنین بے چین سی دائیں سے بائیں لاؤنج میں چکر کاٹ رہی تھی۔ دیوار پہ آبشار کی صورت بہتے پینٹ اور فرش پہ لڑھکے ننھے برش اور ڈبے سے بے نیاز وہ بار بار گھڑی دیکھتی تھی۔ فارس کہاں ہے؟ زمر کہاں ہے۔ یہی دو سوال پچھلے پون گھنٹے سے ہر طرف گونج رہے تھے اور اب ایک دم بجلی کا ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔

سعدی کہاں ہے؟

وہ تیزی سے اوپر بھاگی۔ اس کا کمرہ کھولا۔ خالی اندھیر کمرہ۔ وہ کھڑکی تک آئی اور پردے سرکائے۔ نیچے پورچ میں اس کی کار بھی نہیں تھی۔ کہاں گیا وہ؟ کب سے گھر نہیں آیا؟ اسے احساس کیوں نہیں ہوا؟ وہ وہیں کھڑی جلدی جلدی اسے فون ملانے لگی۔

گھنٹی جا رہی تھی اور جاتی جا رہی تھی، مگر جواب ندارد۔ اسے اب نئی پریشانی نے آن گھیرا تھا۔

ہمر شفیع کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی پارکنگ میں موجود کار کے ڈیش بورڈ پہ رکھا سائیلنٹ موبائل جل بجھ رہا تھا مگر اس کو دیکھنے کے لئے کوئی وہاں موجود نہ تھا۔

اوپر عمارت میں آؤ اور ہمر کے فلیٹ میں جھانکو تو باہر پھیلی گھپ رات کے برعکس اندر اب روشنی تھی۔ لاؤنج روشن تھا اور وہ تینوں وہاں کھڑے دبی آواز میں بحث کر رہے تھے۔ حمران کا سر غنہ وہاں سے ہٹا اور اندر آیا۔ دروازہ کھولا۔ یہ کمرہ بھی روشن تھا اور بیڈ کے قریب وہ دونوں بندھے ہاتھوں کے ساتھ زمین پہ اکڑوں بیٹھے نظر آتے تھے۔ آہٹ پہ دونوں نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ چھریرے، تازہ چہرے اور چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا بولا۔

''پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔ پون گھنٹے میں یہاں پولیس آ جائے گی۔ رپورٹرز آنگ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس سے بھی جلد آ جائیں۔ میری

بات کرواؤ تم اپنی مالکن سے۔"

"زیادہ ہوشیار مت بنو۔قریب کے کسی تھانے میں تم نے رپورٹ نہیں درج کی۔کوئی پولیس نہیں آرہی۔ہم نے پتہ کروالیا ہے۔" وہ نخوت سے بولا تھا۔احمر نے بے اختیار سعدی کا چہرہ دیکھا مگر سعدی حیران نہیں ہوا تھا۔

"میں تمہیں پکڑوانا نہیں چاہتا۔بس تمہاری مالکن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ان سے بات کرواؤ ہماری یا ہمیں ان کے پاس لے چلو پولیس کے آنے سے پہلے۔"

"کہہ رہا ہوں نا' ہم نے پتہ کروالیا ہے' کوئی پولیس نہیں آرہی۔اب تم سیدھی طرح بتاؤ تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔" وہ اس کے سر پہ کھڑا ہو کے غرایا۔احمر نے پھر سعدی کو دیکھا۔اب کی بار غصے سے۔

"تمہاری مالکن سے بات کرنی ہے۔اس کو صرف اتنا کہو کہ وہ اپنی ای میل چیک کر لے۔آگے وہ سمجھ جائے گی۔"

وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا' پھر بوٹ سے زور سے اس کے کندھے پہ ٹھوکر ماری تو سعدی توازن برقرار نہ رکھ سکا اور دوسری جانب لڑھکا۔سر غصے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا اور سعدی دانت پہ دانت جما کے ضبط کرتا واپس سیدھا ہو کے بیٹھا۔احمر وہیں سے غصے سے اس آدمی کو پکار کے لعن طعن کرنے لگا تھا۔پھر اس کی طرف گھوما۔

"تم نے پولیس بلائی ہی نہیں منڈ پورززز۔خود کو بھی مشکل میں ڈالا۔پاگل۔"

گرنے سے اس کی کہنی رگڑی گئی تھی' وہ دونوں ہاتھوں سے شرٹ اور آستین جھاڑتے ہوئے تلخی سے مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

"جن لوگوں نے تین دن سے تمہیں بند کر رکھا ہے' جن کو تمہیں سرے سے مارنا ہی نہیں ہے' جو ڈرائیور اور مالی کے لیول کے گارڈ ہیں' اور صرف تمہیں کنگال کرنے' سبق سکھانے' اور مار پیٹ کرنے آئے ہیں' انہوں نے مجھے مار کے کیا کرنا ہے؟ میں ایسے ہی نہیں آگیا۔بلڈنگ کی سی سی ٹی وی چیک کی تھی۔تمہارا ٹریک ریکارڈ بھی یاد ہے۔یہ خاتون خاندانی قاتلوں کے جیسی نہیں ہیں۔یہ تنہا ہیں۔تمہاری حرکت کی وجہ سے ان کا خاندان ان کو abandon کر چکا ہے' اور ان کی سیاسی سیٹ ان سے چھن گئی ہے۔یہ اپنے آبائی گاؤں تک واپس نہیں جا سکتیں۔نہ ان کے پاس خاندان کے مردوں کی سپورٹ ہے۔ایسی عورت نے کسی کو قتل نہیں کروانا۔وہ صرف اپنی فرسٹریشن نکالنا چاہ رہی ہیں' ایسی عورت سے ہم نپٹ سکتے ہیں۔"

"کب؟ جب تک وہ ہم دونوں کو مار چکے ہوں گے؟"

"دیکھی ہیں میں نے ٹریش کین میں خالی سرنجز۔پستول کا دستہ تک نہیں مار سکے تمہیں وہ۔ٹرینکولائزر گن سے بے ہوش کیا۔یہ قاتل نہیں ہیں۔ایک ڈپریشن کی ماری ہوئی عورت کے احکامات کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں۔میں تمہیں صرف نکالنا نہیں چاہتا' اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یہاں سے بہت پہلے بھاگ جانا چاہیے تھا۔" وہ افسوس سے سر دائیں بائیں جھٹک کر کہہ رہا تھا۔"میں نے اس شہر میں بہت سے

لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ میرے اپنے اعمال ہیں سعدی!"

"ایسا ہی ہے۔" سعدی نے رسمی تردید بھی نہ کی۔ احمر نے سر جھکا کر پیشانی تھام لی۔ "میں اتنا فراڈ' اتنا دھوکے باز' اتنا Complusive liar بن چکا ہوں سعدی کہ اب چاہوں بھی تو ٹھیک نہیں ہو سکتا۔"

"اپنے چاہنے سے کوئی ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔ اللہ کا چاہنا ضروری ہے۔ اور پھر کوشش کرنا۔"

"اب کیسی کوشش؟ مسز جواہرات نے اعتبار کیا مجھ پہ' میں وہ بھی خاک میں ملا کر ان کا زیور لوٹ کر جا رہا تھا۔ ایسا آدمی ہوں میں۔ ایسے آدمی کے دوست ہو تم۔" وہ تلخی سے چہرہ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ تین دن سے بند ہونے کے باعث وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھا۔

"جانتا ہوں مگر ہر شخص خطا کار ہوتا ہے اور بہترین خطا کار وہ ہوتا ہے جو توبہ اور رجوع کرتا ہے۔"

"خطا کار اور گناہ گار میں فرق ہوتا ہے۔" وہ پھر زہر خند ہوا۔

"ہاں۔ سب گناہ گار نہیں ہوتے' مگر خطا کار سب ہوتے ہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرا کے سر جھکائے عرش پہ ناخن سے رگڑ کر لکیری بنانے لگا۔

"میں ایک عمر تک یہ سمجھتا تھا کہ انسان آزمائش آنے پہ دو طرح سے رد عمل دیتا ہے۔ یا وہ پاس ہوتا ہے' یا فیل۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام ہر آزمائش پہ پورا اترتے تھے' یا جیسے ہم لوگ جو بار بار فیل ہو جاتے ہیں۔ ہر دفعہ تہیہ کرتے ہیں' اب یہ غلط کام نہیں کرنا' ماں باپ سے غصے سے بات نہیں کرنی' بری عادت کی طرف واپس نہیں جانا۔ مگر اللہ آزماتا ہے' اور ہم پھر وہی کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آزمائش کے دو ہی نتیجے ہوتے ہیں۔ پاس کرو تو درجے بلند' اور فیل کرو تو درجہ وہی رہے گا یا نیچے جاؤ گے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ احمر خاموشی مگر مایوسی سے سنے گیا۔ وہ اس طرح کی باتوں سے خود کو ریلیٹ نہیں کر پاتا تھا۔

"میں بہت عرصے سے قرآن بھی پڑھتا آ رہا تھا' مگر کبھی سورہ ص کے اس واقعے پہ غور نہیں کیا۔ قید میں ایک دفعہ موقع ملا تو اس واقعے کا مطلب ہی بدل گیا میرے نزدیک۔ وہ داؤد کا واقعہ ہے' مشہور سا۔ داؤد علیہ السلام اپنی ذاتی زندگی میں کوئی غلطی' کوئی کمی بیشی کر رہے تھے' یہود نے تو بہت سی بےہودہ کہانیاں گھڑ رکھی ہیں مگر چونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اس لئے ہم مسلمانوں کو اس واقعے کی گہرائی میں نہیں جانا چاہیے' بلکہ اصل سبق جو لینا ہے وہ لینا چاہیے۔ تو ہوا یہ کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کے لئے دو فرشتے انسان کے روپ میں اللہ نے بھیجے۔ وہ ان کے پاس دیوار پھلانگ کے آئے اور ایک نے کہا کہ میرے پاس ایک دنبی ہے اور اس کے پاس 99۔ یہ اب میری ایک بھی ہتھیانا چاہتا ہے۔ قصہ مختصر' داؤد علیہ السلام نے ان کا مسئلہ حل کروایا اور ان کو نصیحت کی۔ نصیحت کے اس عمل کے دوران ان کو احساس ہوا کہ ان کو خود بھی کوئی ایسا ہی معاملہ درپیش ہے اور اللہ ان کو آزما رہا تھا۔ ہوتا ہے نا بعض دفعہ ہمارا ہی مسئلہ کوئی اور آ کے ہم سے بیان کرتا ہے اور ان کو جواب دیتے دیتے ہمیں اپنے مسئلے کا حل نظر آ جاتا ہے۔ تو داؤد کو احساس ہوا کہ وہ آزمائش پہ پورے نہیں اترے۔ بات ختم نا؟ آزمائش آئی' وہ پورے نہیں اتر سکے' بات ختم؟ مگر نہیں۔ ساری بات ہی یہی ہے کہ آزمائش کا مقصد اس کو پاس یا فیل کرنا نہیں ہے' ہمیں کچھ سکھانا ہے۔ ہم کبھی وہ فیل ہو کر سیکھتے ہیں' کبھی پاس ہو کر۔ داؤد کو جب اپنی کمی کا احساس ہوا تو وہ اللہ کی طرف پلٹے اور توبہ کی۔

آگے اللہ فرماتا ہے'ہمارے پاس اس کے لئے اعلیٰ درجہ ہے۔اس آزمائش کے ذکر کے ساتھ ہی درجے کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آزمائش ہوتی ہی درجوں کی بلندی کے لئے ہے تو کسی کوتاہی کے باوجود ان کو اعلیٰ درجہ کیوں مل گیا؟ آزمائش کے ذکر کے فوراً بعد درجے کا ذکر ظاہر کرتا ہے کہ یہ درجہ ان کی توبہ سے منسلک ہے۔یعنی احمر شفیع اگر ہم آزمائش میں فیل ہو جائیں' مگر سبق سیکھ لیں اور توبہ کر لیں تو ہمیں پاس ہونے جیسا درجہ مل جاتا ہے۔آزمائش اللہ اذیت دینے کے لئے نہیں کچھ سکھانے کے لئے ڈالتا ہے' جتنی جلدی سیکھ لیں گے اتنی جلدی وہ دور ہو گی۔"احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔"تم اچھے آدمی ہو۔میں نہیں ہوں۔سمپل۔"

سعدی ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دروازہ زور سے کھلا تو ان دونوں نے چونک کر دیکھا وہ تینوں تیزی سے اندر آرہے تھے۔

"چلو۔بی بی نے بلایا ہے۔" ایک جھک کر اس کے ہاتھ کھولنے لگا۔احمر نے چونک کے سعدی کو دیکھا۔وہ ہلکا سا مسکرایا۔"تجربہ بولتا ہے۔" اور سر کو خم دیا۔احمر نے گہری سانس لی اور خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میری شناخت کے پتھر میں شکل باقی ہے

میرے وجود کے ذروں میں زندہ ہے کوئی

رات گہری مہیب سی اس ہوٹل بلڈنگ کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔زمین سے دو منزلیں نیچے.....اس لفٹ میں زمر ایک کونے میں اکڑوں بیٹھی تھی'بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے اور تھوڑی ان پہ جما دی تھی۔چہرہ زرد تھا۔نظریں پانی کی دھار پہ لگی تھیں۔فرش پہ ایک دو انچ جتنا گہرا پانی جمع ہو چکا تھا۔اس کا لباس بھیگ رہا تھا'مگر اب وہ مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔بس دھار کے بہتے قطروں کو دیکھ رہی تھی۔ٹپ ٹپ.....وہ گویا اس کے دل پہ گر رہے تھے.....وہ بار بار چہرے پہ ہاتھ پھیرتی'ناخن دانتوں میں دباتی۔وہ خوفزدہ تھی'ہراساں تھی۔سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔کوئی ایسی شے نہ تھی جس کے سہارے وہ اوپر چڑھ جاتی اور انگریزی فلموں کی طرف لفٹ کا ڈھکن کھول لیتی۔وہ بس ساکن بیٹھی تھی۔سانسیں گن رہی تھی۔

قصر کاردار اس وقت رات کی تاریکی میں ڈوبا تھا۔کہیں کہیں مدھم بتیاں جلتی دکھائی دے رہی تھیں۔فارس سڑک پہ کار کے ساتھ کھڑا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔چہرہ سپاٹ اور سرد سا تھا۔

دفعتاً گیٹ کھلا اور کوئی باہر آتا دکھائی دیا۔ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس نیند سے پُر آنکھیں لئے نوشیرواں۔ادھر ادھر دیکھتا سامنے آیا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

"فیونا نے مجھے اٹھایا کہ تم.....فارس تم ادھر کیا کر رہے ہو؟" وہ اس کے عین سامنے کھڑا ہوا تو چہرہ چاند کی روشنی میں واضح ہوا۔شیرو حیران اور الجھا ہوا لگتا تھا۔"دیکھو اگر تم مجھے مارنے آئے ہو تو یاد رکھنا عدالت تم پہ....."اس کے سنگین تاثرات دیکھ کر شیرو نے احتیاط سے بات شروع کی۔

''ہاشم نے زمر کو اغوا کر لیا ہے۔'' وہ چبا چبا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا تھا۔ شیرو گنگ رہ گیا۔ ''کیا؟''

''تمہارے بھائی نے زمر کو کہیں بلوایا ہے میرے دھوکے میں اور وہ چلی گئی ہے اور اس کا اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ وہ اسے مار دے گا' صرف مجھے اذیت دینے کے لئے۔''

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم لوگ مشہور ہو' ہاشم بھائی کبھی.....'' فارس نے جھٹکے سے اس کو گریبان سے پکڑا اور گاڑی سے لگایا۔

''بکواس بند کرو۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے۔''

وہ ایک دم اس جارحیت پہ ڈر گیا تھا۔ ''مجھے نہیں پتہ' مجھے سچ میں نہیں پتہ۔'' فارس نے جھٹکے سے اس کو چھوڑا۔

''مجھے پتہ کر کے دو۔ ہاشم کے پاس جاؤ اور مجھے پتہ کر کے دو۔ وہ اس وقت آفس میں ہے۔ اس کے فون کے سگنلز وہیں کے آ رہے ہیں۔''

شیرو کو چند لمحے لگے بات سمجھنے میں۔ ''مجھے کچھ نہیں پتہ۔ یہ میرا معاملہ نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے مسئلے خود سنبھالو۔'' اب کے وہ درشتی سے ہاتھ جھلا کے بولا تھا۔

''نوشیرواں!'' فارس نے بہت ضبط سے اس کو مخاطب کیا۔ ''تم نے اگر کچھ نہ کیا تو وہ مر جائے گی۔''

''وہ مجھے کورٹ میں پراسیکیوٹ کر رہی ہیں' ان کی وجہ سے میں مرنے جا رہا ہوں۔ میں ان کی مدد کیوں کروں گا؟ اور تمہیں کیا لگتا ہے' میں بھائی کو دھوکہ دوں گا اور تمہارے ساتھ مل جاؤں گا تو بھائی مجھے چھوڑ دے گا؟ بھائی مجھے جان سے مار دے گا۔'' وہ برہمی سے بولا اور سر جھٹک کر واپس گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''اگر آخر میں تم نے مرنا ہی ہے تو کسی کے اقدام قتل کے جرم میں مرنے سے بہتر کسی کی جان بچا کر مرنا نہیں ہے کیا؟''

اس اندھیری رات' سڑک پہ آگے بڑھتے شیرو کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ بالکل سُن رہ گیا۔ گویا پتھر کا ہو گیا ہو۔

''اگر تمہیں مرنا ہی ہے تو کیا تم کسی لوزر کی طرح مرنا چاہتے ہو؟ کیا تم ساری عمر ایک لوزر رہو گے یا تم واقعی اپنے نام جیسے بننا چاہتے ہو؟ کیا تم ''نوشیرواں''.....ہیرو.....سپر ہیرو کی طرح مرنا چاہو گے' شیرو؟ اگر مرنا ہی ہے تو کیا تم اس زمر کے لئے مرنا چاہو گے جس نے تمہیں تمہارے کمپلیکس سے نکال کر دنیا کے سامنے اُٹھ کھڑا ہونا سکھایا؟ کیا تم اس زمر کو بچانے کے لئے کچھ کرنا چاہو گے' جو اس سب میں تمہارے کیس کی وجہ سے پھنسی ہوئی ہے؟''

کسی خواب کی سی کیفیت میں نوشیرواں اس طرف واپس گھوما۔ ٹکر ٹکر وہ فارس کا چہرہ دیکھے گیا جو اس وقت بہت وحشی نظر آ رہا تھا۔ چاندنی زدہ اندھیر ماحول میں اُداسی کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔ اور نوشیرواں اور تخریب کار وارث نے خود کو کہتے سنا۔ ''مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

''دو آپشنز ہیں تمہارے پاس۔'' وہ چند قدم طے کر کے اس کے سامنے.....بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تو شیرو نے دیکھا' اس کی آنکھیں سرد تپش سے بھری تھیں اور چہرے پہ بلا کی سختی تھی۔

"یا تو میں تمہیں گن پوائنٹ پہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور ہاشم سے کہوں کہ وہ زمر کو چھوڑ دے ورنہ میں تمہیں مار دوں گا۔"

"تم مجھے اغوا کر کے نہیں لے جا سکتے۔" وہ ششدر سا بولا تو آواز حلق میں پھنسی۔

"لے جا سکتا ہوں مگر لے کر نہیں جاؤں گا کیونکہ ہاشم پھر بھی اسے مار دے گا کوئی بھی مغوی کو زندہ واپس نہیں کرتا کہ وہ جا کر پولیس کو بیان دے دے اور بدلے میں مجھے تمہیں مارنا پڑے گا اور زمر یہ کبھی نہیں چاہے گی۔ اس لئے دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم میری مدد کرو، ہاشم کے پاس جاؤ اور پتہ چلاؤ کہ وہ کدھر ہے، مجھے اس جگہ کا بتاؤ اور پھر میں اسے وہاں سے نکال لاؤں گا۔ نوشیرواں تمہارے پاس کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے کیونکہ اگر ہاشم نے اسے نقصان پہنچایا تو خدا کی قسم میں تمہارے اس محل کو آگ لگا دوں گا۔" وہ غصے سے بول رہا تھا۔ اس کا چہرہ اذیت سے پُر تھا۔

شیرو اسے یک ٹک دیکھے گیا۔ فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک بے کسی کا جال ہے پھیلا چہار سُو

اک بے بسی کی دُھند ہے دل سے نگاہ تک

ہاشم کاردار کے آفس میں نیم اندھیرا تھا۔ دو کمپیوٹرز کی اسکرین روشن تھیں اور ہاشم ٹیک لگائے بیٹھا سرد مہری سے اس اسکرین کو دیکھ رہا تھا جس میں وہ لفٹ کے کونے میں بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ خوفزدہ، سہمی ہوئی۔ پانی سے بھیگتی اس کے پاؤں تقریباً ڈوب گئے تھے۔ موبائل گھٹنوں کے گرد لپٹے ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا اور پرس بھیگنے سے بچانے کو گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔

"سر! پانی کا فلو زیادہ نہیں ہونا چاہیے؟ اس طرح تو اسے ڈوبنے میں گھنٹہ لگ جائے گا۔" رئیس نے اسے پکارا۔ ہاشم نے دائیں بائیں نفی میں سر ہلایا۔

"اونہوں۔ اسی طرح چلنے دو۔ یہ زیادہ دلچسپ ہے۔ میں بعد میں یہ ویڈیو فارس کو دکھا دکھا کر پاگل کرنا چاہتا ہوں۔" وہ محظوظ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس پُر تپش نگاہیں اسکرین پہ گاڑھے ہوئے تھا۔ انتقام کی آگ تھی کہ بجھائے نہ بجھتی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ ہاشم نے سر اٹھایا، پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ ٹھہری۔ چوکھٹ میں آبی کھڑی تھی۔ حیران، الجھی ہوئی۔

"ہاشم کیا ہوا ہے؟ فارس کہاں ہے؟" وہ ایک قدم اندر آئی۔ ہاتھ ہنوز ڈور ناب پہ تھا۔ رئیس اٹھا اور ایک کرسی اٹھا کر سامنے رکھی، گویا اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا ہو۔ ہر حرکت، ہر جنبش گویا طے شدہ تھی۔ وہ الجھن سے ان دونوں کو دیکھے گئی۔

"آؤ ریڈ۔ تمہارے لئے تو سجائی ہے یہ بساط۔ تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا جری مرد ہے۔"

وہ متحیر سی کھڑی رہی۔ نیم اندھیرا آفس... کونے میں اونچی میز پہ دھار دشنیوں سے جگمگاتا ایکویریم... اسکرینز کی نیلی روشنی سے دمکتے ہاشم اور رئیس کے چہرے۔ ماحول عجیب پُراسرار سا تھا اور آبی کے قدم جم گئے تھے۔ پھر بدقت وہ آگے بڑھی۔ قدم بقدم اٹھاتی ہاشم کے قریب آ

کھڑی ہوئی۔ چہرہ اسکرین کی طرف موڑا۔ آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ ذرا جھک کر دیکھا۔ "یہ کون ہے؟"

"دیکھو! وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ زمر ایک لفٹ میں قید ہے اور وہ لفٹ جلد ایک ویکیوم بننے جا رہی ہے مگر وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں بیٹھو اور میرے ساتھ یہ تماشہ آخر تک دیکھو۔ یہ بے چاری عورت اس کا آخری سانس تک انتظار کرے گی مگر وہ نہیں آئے گا۔ اس کی ساری بہادری اس کی ساری جرأتمندی اور دلیری آج تم دیکھ لو گی۔ بیٹھو نا ڈیئر! کھڑی کیوں ہو۔"

آبدار کی نظریں اسکرین پہ ساکن ہو چکی تھیں گویا پتلیاں حرکت کرنا بھول گئی ہوں۔ بدقت ان بے یقین نظروں کا رخ اس نے ہاشم کی طرف پھیرا۔

"تم پاگل ہو چکے ہو۔" وہ اسے واقعی اس وقت ذہنی مریض نظر آ رہا تھا۔

"عجیب بات ہے ڈیئر! مگر پاگلوں نے اس دنیا کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ذہین لوگوں نے پہنچایا ہے۔ سارے بم، سارے ہتھیار، ساری جنگیں، یہ سب ذہین لوگوں کے ذہنوں کی کارستانی ہیں بیٹھو اور تماشا دیکھو۔"

وہ شل سی کرسی کے کنارے بیٹھی۔ لب ادھ کھلے تھے اور اسکرین پہ جمی آنکھیں پلک تک نہ جھپک پا رہی تھیں۔ "تم اس کے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہو؟"

"تمہارے فیصلے آسان کرنے کے لئے۔ اس کی اصلیت تمہیں دکھانے کے لئے۔ اس کے بعد تم اس پہ کبھی اعتبار نہیں کر سکو گی۔ وہ کبھی اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا آبدار۔"

آہستہ آہستہ آبدار کا ذہن جاگنے لگا۔ اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا۔

"تم واقعی اسے مار دو گے؟ صرف فارس کو نیچا دکھانے کے لئے؟"

"میرے اس کی طرف بہت سے حساب نکلتے ہیں' میں سب کو ایک ہی دفعہ میں بے باک کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم اس کے خاندان سے آخری بدلہ لے رہے ہو۔ اگر زمر کو کچھ ہوا تو... وہ سب..." وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "وہ سب... مر جائیں گے۔ مگر فارس اس کے بعد کیا کرے گا؟ وہ بدلہ لے گا۔" وہ ٹیک لگائے مطمئن سا بیٹھا تھا۔

"کیا تمہارے خیال میں میں اسے بدلہ لینے کے قابل چھوڑوں گا؟" اس کی آواز کی سنگینی... آبدار کی ہڈیوں کے اندر تک سرد لہر دوڑ گئی۔

"تم ایک تیر سے اپنے دشمنوں کو ختم کرنا چاہتے ہو۔ تباہ و برباد۔" اس کی آواز میں دکھ سا ابھر آیا' پھر جیسے وہ نیند سے جاگی۔ شل ذہن بیدار ہونے لگا۔ اس نے ہاشم کی طرف چہرہ گھمایا۔ "ایسے مت کرو۔ وہ اچھی عورت ہے۔ زمر۔ اس کے ساتھ یہ مت کرو۔"

"اچھا میرا خیال تھا تم اس کو ناپسند کرتی ہو۔" وہ محظوظ ہوا تھا۔ اس نے بہت سے ذہنی مریض دیکھے تھے' یہ ان سے بھی الگ نگ رہا تھا۔

"ہاشم... یہ مت کرو۔ پلیز۔ تم اس کو نہیں مار سکتے۔ لفٹ کھول دو۔ اسے نکالو۔" وہ منت کرنے کے انداز میں آگے بڑھی' کہ خود کی بورڈ پہ کچھ دبائے' اسے نہیں معلوم کیا مگر کچھ دبا دے' لیکن ہاشم نے کہنی سے پکڑ کر اسے واپس کرسی پہ بٹھایا۔ "آرام سے بیٹھو۔" وہ غرایا تھا اور وہ

سہم گئی۔ تنفس تیز ہو گیا۔

"ہاشم.... پلیز...." پھنسی پھنسی سی آواز حلق سے نکلی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اسے چھوڑ دو۔"

"یہ تو تمہارے فارس غازی پہ منحصر ہے۔ کہاں ہے وہ آبدار؟ کیوں نہیں آیا وہ؟ کیا اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔" ساتھ ہی اس نے رئیس کو اشارہ کیا جو سامنے گونگوں بہروں کی طرح بیٹھا تھا۔ اس نے سر کو خم دیا اور کی بورڈ پہ کیز دبانے لگا۔ وہ زمر کے نمبر کی لوکیشن آن کر رہا تھا۔

مورچال میں حنین دل مسوس کر بیٹھی تھی۔ لاؤنج پہ پیر اوپر کیے۔ بار بار آنسو صاف کرتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ ہاتھ میں زمر کا انکریپٹڈ فون تھا جس سے وہ بار بار فارس اور سعدی کو کال کرتی تھی۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ تبھی نوٹیفکیشن کی آواز آئی۔ وہ چونک کر میز کی طرف جھکی۔ کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ زمر کے فون کی لوکیشن جو پہلے مختلف جگہوں پہ بکھری نظر آ رہی تھی اب صرف ایک جگہ موجود تھی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جلدی سے فون پہ ٹائپ کرنے لگی۔ (یہ وہ فون تھا جو انکریپٹڈ تھا اس کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا تھا۔)

"زمر کے فون کی لوکیشن مل گئی ہے۔ وہ آپ کی پرانی یونیورسٹی میں ہیں۔"

اندھیر سڑک پہ وہ کار دوڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی مسلسل اندر ابلتے غصے کو جھٹک کر دماغ کو آلودہ ہونے سے بچاتا تھا۔ وہ اور زمر ایک دفعہ پھر ہاشم کی بساط کے مہرے بن گئے تھے اور وہ ان کی ڈوریں کھینچ رہا تھا۔ ایسا ایک دفعہ پہلے بھی ہوا تھا۔ یا شاید کئی دفعہ۔ وہ ہمیشہ اس سے مار کھا جاتا تھا۔ مگر آج نہیں۔ آج وہ زمر کو کچھ نہیں ہونے دے گا۔ آج وہ ہاشم کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

جیب میں رکھا بھدا موبائل بجا تو اس نے چونک کر کار آہستہ کی۔ وہ کتنی دیر سے بج رہا تھا' اس نے خیال نہیں کیا تھا۔ اس نے فون نکال کر دیکھا۔ حنین کا پیغام تھا۔ ایک دم اس نے بریک لگائی اور پھر فون فرنٹ سیٹ پہ ڈالتے' کار کا رخ موڑا۔ اسے لائبریری جانا تھا۔ یونیورسٹی کی لائبریری۔ وہ یادگار جگہ تھی۔ ان دونوں کے لئے۔

نیم اندھیرا آفس میں وہ تینوں اسی پوزیشن میں بیٹھے تھے۔ آبی ہراساں نظر آتی تھی۔ اسکرین کے منظر سے زیادہ وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھ کر سہم جاتی تھی۔ وہ ایسا سفاک تو نہ تھا' ایسا ابنارمل بھی نہیں۔ یہ سب کیا ہوتا جا رہا تھا؟

تبھی باہر آوازیں آئیں۔ شور سا اٹھا۔ جیسے کوئی گارڈز سے بحث کر رہا ہو۔ رئیس چونک کر اٹھا' ساتھ ہی اسکرین کو بھی دیکھا۔ "فارس نہیں ہو سکتا' اس کے موبائل کے جی پی ایس کے مطابق وہ تو لائبریری جا رہا ہے۔" رئیس عجلت میں دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ ہاشم چونکا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔

"شیرو؟ کیا ہوا؟" ہاشم جگہ سے اٹھا۔ آنکھوں میں حیرت تھی۔ نوشیرواں ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس تھا' آنکھیں ہنوز خوابیدہ تھیں' اور منہ دھوئے بغیر آ گیا تھا غالباً۔ بس الجھا ہوا لگتا تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "کیا ہو رہا ہے بھائی؟"

"تم ادھر کیسے؟" ہاشم کرسی کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف گیا۔ آبدار ذرا سا اسکرین کی طرف جھکی۔ کوئی ایسی کمانڈ جو وہ دبا سکے لفٹ کا

دروازہ کھولنے کو۔ "آہم۔" مقابل بیٹھا رئیس کھنکھارا اور پستول جیب سے نکال کر میز پہ رکھ دیا۔ آبی سست سی پڑ کے واپس پیچھے کو ہو گئی۔

"کیا آپ نے واقعی ڈی اے کو..... زمر کو غائب کروا دیا ہے؟" وہ حیران تھا۔

"تمہیں کس نے کہا؟"

"فارس نے۔ وہ گھر آیا تھا۔"

"وہ گھر آیا تھا؟ گارڈز نے نہیں بتایا۔ اس نے نقصان تو نہیں کیا کوئی؟" ہاشم تیزی سے بولا۔ "ممی ٹھیک ہیں؟ اور سونی؟" اس سارے میں وہ پہلی دفعہ مضطرب ہوا۔

"اوہو بھائی سب ٹھیک ہے۔ اس نے مجھے باہر بلایا تھا۔ کہہ رہا تھا میں زمر کو بچانے کے لئے اس کی مدد کروں' آپ سے پوچھوں کہ وہ کہاں ہے اور اس کو بتا دوں۔" وہ اٹک کر کہتا آگے آیا اور جھک کر اسکرین کو دیکھا۔ آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا۔ "یہ لفٹ میں بند ہے؟ یہ کیسے کیا آپ نے؟"

"نوشیرواں درست کہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھیں۔" رئیس جلدی سے فارس کی لوکیشن چیک کرنے لگا۔ کچھ دیر پہلے وہ واقعی ان کے گھر والے علاقے میں موجود تھا۔

"اور کیا کہا اس نے؟" ہاشم سنجیدگی سے پوچھتا واپس کرسی پہ بیٹھا۔

"یہی کہ اگر میں اس کی مدد کروں اور زمر کو بچا لوں تو وہ لوگ میرے خلاف کیس واپس لے لیں گے۔" وہ جھک کر غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ "آؤچ' مگر اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ یہ واقعی مر جائے گی کیا؟"

"تم نے اس کو کیا کہا؟" ہاشم نے سپاٹ سے انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ وہ اپنی شکل گم کرلے کیونکہ مجھے اس عورت کو بچانے میں دلچسپی نہیں ہے جو کورٹ میں مجھے پراسیکیوٹ کر رہی ہے۔ وہ چلا گیا' مگر بھائی...." وہ الجھن سے سیدھا ہوا۔ "اس کو مار کے ہمیں کیا ملے گا؟"

"زمر مر جائے گی تو فارس جیل چلا جائے گا۔ سعدی کے لیے ایک اور پلان ہے میرے پاس۔ ان کا خاندان ایک دفعہ پھر الٹ پلٹ ہو جائے گا اور وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ سمپل۔" وہ اب گہرا سانس لے کر اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"گڈ۔ کہاں ہے یہ ویسے؟"

"کل کی نیوز میں دیکھ لو گے۔" وہ تلخی سے بولا۔ شیرو "واٹ ایور" کہہ کر سیدھا ہوا اور کندھے اچکائے۔ پھر آبدار پہ نظر پڑی تو چونکا۔

"آپ بھی انوالوڈ ہیں؟ واؤ۔"

"میں نہیں انوالوڈ۔" وہ چبا چبا کر بولی اور ایک ملامتی نظر ہاشم پہ ڈالی۔

شیرو نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا' پھر چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ "میں ذرا.... فریش ہو لوں۔" ذرا سا کھسیا کر بولا۔

"بالکل!" ہاشم نے ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔ شیرو باہر نکل گیا۔ راہداری عبور کی' اور اپنے پرانے آفس میں آیا۔ دروازہ بند کیا۔ تیزی سے باتھ روم میں داخل ہوا' یہ دروازہ بھی مقفل کیا' اور جیب سے فون نکالا' پھر ایک نمبر ڈائل کر کے اسے کان سے لگایا۔ ساتھ ہی بے چینی سے سنک کے اوپر آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ اس کو اپنا چہرہ سخت مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"بولو۔" فارس کی آواز سنائی دی۔

"یو شیور تمہارا یہ نمبر ٹریس نہیں ہو رہا کیونکہ دوسرا تو ہو رہا ہے؟"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ تم بتاؤ' وہ کیا جو میں نے کہا تھا؟"

"ہاں۔ میں آفس آیا ہوں۔ بھائی کو بتایا تمہارے آنے کا۔ جو تم نے کہا وہ بھی۔ مگر....." وہ الجھا۔ "اس طرح تو وہ مجھ پہ شک کرے گا' نہیں؟"

"یہ ضروری تھا' ورنہ وہ اچانک تمہارے بغیر وجہ کے آنے پہ شک کرتا۔ بتایا اس نے وہ کدھر ہے؟"

"نہیں۔ آبدار بھی یہیں ہے۔ کسی hostage کی طرح۔ بھائی نے زمر کا مجھے نہیں بتایا۔ مگر وہ اسکرین پہ نظر آ رہی ہے۔ سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ میں۔" فارس نے جھٹکے سے بریک لگائی۔ سارا جسم دہل کر رہ گیا تھا۔

"کیا؟ کدھر ہے وہ؟ وہ ٹھیک ہے؟"

"وہ کسی لفٹ میں ہے۔ اور اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ وہ کونے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ خوفزدہ سی۔" شیرو نے جھرجھری لی۔ "اگر تم نے اسے نہ نکالا تو وہ مر جائے گی۔ ڈوب کر۔"

"کیسی لفٹ ہے؟ کوئی نشانی' کوئی سائن؟"

"دو طرف مرر لگے ہیں۔ آئینے۔ اور بیک پہ براؤن سی وال ہے۔ اور کچھ نہیں سمجھ آیا۔ میں اپنے بھائی کو دھوکہ دے رہا ہوں' میں بس اتنا کر سکتا ہوں۔" وہ تلخ ہو گیا۔

"کچھ اور سمجھ آئے تو بتانا' اور میرے اوپر کوئی احسان نہیں کر رہے تم۔ اپنے اور اپنے بھائی کے گناہوں کو دھونے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ تلخی سے بولا تھا اور فون بند کر دیا۔ شیرو نے سر جھٹکا' فون جیب میں ڈالا اور منہ دھونے لگا۔

وہ واپس آیا تو سب اسی طرح بیٹھے تھے۔ آبی کہہ رہی تھی۔ "میں اس کو پسند نہیں کرتی۔ بالکل بھی نہیں' مگر یہ وحشیانہ سلوک..... ہاشم۔ ایسا مت کرو۔ پلیز۔" وہ منت کر رہی تھی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے آبی۔ تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا قابل ہے۔ میرے لئے اسے اپنی انگلیوں پہ نچانا کبھی مشکل نہیں رہا۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"مگر وہ تو آزاد گھوم رہا ہے' ہمارے گھر تک آ گیا۔" شیرو کرسی سنبھالتے ہوئے بولا تھا۔ "وہ زمر کو ڈھونڈ لے گا' پھر؟"

ہاشم نے کوفت سے اسے دیکھا۔ "تم گھر جا سکتے ہو۔"

"اب مجھے نیند نہیں آئے گی' اور میں یہ تھیٹر مس نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اطمینان سے رئیس کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔ "سو فارس اسے کیوں نہیں بچا سکے گا؟" سرسری سا پوچھا۔

"کیونکہ سر' اسے منسٹری کے ایک آفس سے غیر قانونی طور پہ فائلز نکالتے ہوئے گرفتار ہو جانا تھا۔ ہم رات گہری ہونے کا انتظار کر رہے تھے' مگر وہ وہاں سے نکل گیا۔ پلان بی۔ وہ اب لائبریری جا رہا ہے' وہاں پولیس کی ایک وین اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ وہاں سے گرفتار ہو جائے گا۔"

شیرو کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسکرین پہ وہ فارس کی لوکیشن دیکھ سکتا تھا۔ جی پی ایس سگنل سڑک پہ آگے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ نوشیرواں نے بظاہر "واؤ" کہتے پہلو بدلا۔ (اب وہ کیسے دوبارہ اپنے آفس جائے اور اسے فون کرے؟)

"سر آپ اپنا فون مجھے دے دیں۔" رئیس نے ایک دم اسے مخاطب کیا تو وہ چونکا۔ "مگر کیوں؟"

"کیونکہ آپ فارس سے مل کر آئے ہیں۔ وہ آپ کے علم میں لائے بغیر آپ کو ٹیگ یا بگ کر سکتا ہے' اور آپ کی سیکیورٹی کے لئے مجھے آپ کے تمام gadgets لینے ہوں گے۔ مسز آبدار کا فون بھی ہم نے اینٹرنس پر رکھا لیا تھا۔"

"او کے!" بظاہر بے پرواہی سے کہتے ہوئے اس نے فون میز پر رکھ دیا۔ رئیس اسے اٹھا کر باہر چلا گیا۔ (وہ لاکڈ تھا' اور شیرو کال ریکارڈ مٹا چکا تھا۔) اب نوشیرواں ان دیکھی رسیوں سے بندھا ہوا تھا اور فارس کو لائبریری تک جاتے اور ایک اور پھندے میں پھنستے دیکھنے پہ مجبور تھا۔

ہاشم اب اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ ارد گرد سے بے نیاز۔ منتقم آنکھیں گویا اسکرین میں چبھ چبھ رہی تھیں۔ آبی صدمے اور ترحم سے زمر کو دیکھ رہی تھی۔ گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی وہ بے بس نظر آتی تھی۔

زمر اسی طرح لفٹ کے کونے میں بیٹھی تھی۔ گٹھڑی بنے۔ سمٹی ہوئی۔ ٹھنڈے پانی میں اس کا آدھا وجود ڈوب چکا تھا' مگر جائے تو جائے کہاں۔ سو بیٹھی رہی۔ پرس اور موبائل ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے دروازے پہ بند ہتھیلی مار دیتی۔ چند آوازیں بھی لگاتی مگر اندھیر پارکنگ ایریا میں رات کے اس پہر کسی نے نہیں آنا تھا غالباً۔

ساری زندگی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح سے گھوم رہی تھی۔ گونگی بہری فلم۔ ٹوٹے پھوٹے سین۔ وہ فارس کو کتنی اذیت دیتی تھی' اس سے کتنی تلخی سے پیش آتی تھی۔ ساری بری باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ساری اچھی باتیں بھول گئی تھیں۔

وہ موبائل روشن کر کے دیکھنے لگی۔ ایس او ایس ایمرجنسی کالنگ کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس نے گیلری کھولی۔ اپنی اور فارس کی نئی پرانی تصویریں دیکھیں..... سعدی جنین..... مور چال..... اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ سگنل ہنوز بند تھے۔ ایمرجنسی کال تک نہ جاتی تھی۔ نوٹیفکیشن بار نیچے کیا تو ذرا ٹھہری۔ وائی فائی کا بٹن عادتاً آن تھا۔ اس نے اسے زور سے دبایا تو وائی فائی کا خانہ کھل گیا۔ موبائل از سر نو تیزی سے وائی فائی

نیٹ ورکس کو ڈھونڈنے لگا۔ زمر کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ سر اٹھا کے اوپر دیکھا۔

کیمرہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے موبائل ذرا تر چھا کر کے پکڑ لیا۔

دفعتاً فون نے اطلاع دی۔ قریب میں ایک نیٹ ورک آن تھا۔ شاید کوئی اپنی کار میں کوئی تھری جی ڈیوائس رکھے ہوئے تھا جو آن تھی اور اس کے سگنل لفٹ تک آتے تھے۔ اس نے اسے دبایا۔ پاسورڈ؟

وہ کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کرنے لگی۔ 12345676۔ یہی سب سے کامن پاسورڈ تھا۔ "غلط" نشان ابھرا۔ اس نے لب کاٹتے ہوئے ایک سے نو' اور پھر ایک سے دس تک گنتی لکھی۔ غلط۔ دل بار بار ڈوب رہا تھا۔ ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ پانی اس کے گھٹنوں تک آ گیا تھا اور آنکھوں سے پانی ویسے بھی بہہ رہا تھا۔ "پاکستان" اس نے دوسرا سب سے کامن پاسورڈ ٹائپ کیا۔ غلط۔ مگر وہ تھکی نہیں۔ بار بار ٹائپ کرتی رہی۔ الفاظ ہندسے۔ اپنے گھر والوں کے نام۔ یونہی بے کار میں۔

زمر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وائی فائی کنکشن کے نام میں جو بارہ ہندسے لکھے تھے' وہی اس کا پاسورڈ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

حنین لاؤنج میں اداس سی بیٹھی تھی۔ ایک ہی پوزیشن میں پاؤں رکھنے کے باعث وہ سن ہو گئے تھے۔ وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن دانتوں میں دبا کر کترے جا رہی تھی۔ وہاں زمر کی لوکیشن کبھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے دوسری ونڈو میں فارس کی لوکیشن چیک کی۔ وہ یونیورسٹی کے قریب تھا۔ اسے کچھ تسلی ہوئی۔ شکر ہے وہ اس قابل تھی کہ کسی کی موبائل لوکیشن چیک کر سکے اور حالات کا اندازہ کر سکے ورنہ تو مارے ٹینشن کے اس کا برا حال ہو جاتا اور.....

یکدم وہ ٹھہر گئی۔ ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔ اس نے تیزی سے فون اٹھایا اور کال ملائی۔

"کیا ہوا حنہ؟" وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا تھا۔

"ماموں' مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہے۔ دیکھیں' پہلے ہمیں زمر کی لوکیشن مل نہیں رہی تھی' پھر اچانک سے مل گئی' اور اگر مجھے آپ کی لوکیشن معلوم ہو سکتی ہے تو ان کو بھی ہو سکتی ہے۔ آپ..... آپ وہاں نہ جائیں۔"

"میں وہاں جا بھی نہیں رہا۔"

وہ ٹھہر گئی۔ "ہیں؟ کیوں؟"

اور اس بلند و بالا ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترتے ہوئے فارس نے فون کان سے لگائے والٹ سے چند نوٹ نکال کر ٹیکسی والے کو تھمائے اور آگے چلتا آیا۔ اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں نظر آتا تھا۔ صرف سنجیدگی اور ٹھہراؤ۔

"کیونکہ میں ہمیشہ اس کے داؤ میں اس لئے پھنس جاتا ہوں کیونکہ میں اس کی طرح نہیں سوچتا۔ وہ صرف جرم کرنے کا نہیں سوچتا' وہ کور اپ کا بھی سوچتا ہے۔ جرم کے بعد الزام کس کے سر جائے گا' یہ طے کر رکھتا ہے۔" وہ تیز تیز چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "پہلے اس نے سوچا کہ وہ شہری کے ذریعے مجھے گرفتار کروا دے' لیکن اسے اندازہ تھا کہ عین ممکن ہے میں گھنٹے بھر میں چھوٹ جاؤں' تو اس نے یقیناً پلان بی بھی رکھا ہوگا۔ اب وہ چاہتا ہے میں یونیورسٹی جاؤں' اور میں چلا بھی جاتا اگر میں اپنے کریڈٹ کارڈ کا ریکارڈ نہ دیکھ لیتا۔"

"کریڈٹ کارڈ کہاں سے آ گیا؟"

"میرے بلز کو وہ عموماً مجھے پھنسانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اسے گمان ہوگا کہ اتنی افراتفری میں مجھے اپنا اکاؤنٹ دیکھنے کا ہوش کہاں ہوگا۔ مگر زمر نے تمہیں کہا تھا کہ وہ ڈنر پہ جا رہی ہے۔ وہ یقیناً کسی ہوٹل یا ریسٹورانٹ گئی ہوگی۔ لائبریری نہیں۔ اور چند گھنٹے پہلے میرے کارڈ سے دو دن کے لئے اس ہوٹل میں روم بک کیا گیا ہے' جہاں زمر اور میں ایک دفعہ آئے تھے' اور جو ہارون عبید کی ملکیت ہے۔" وہ ہوٹل کے داخلے کی طرف تیز قدموں سے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اور ہاشم ہمیشہ ہارون عبید کے ہوٹلز استعمال کرتا ہے' جیسے سعدی بھائی کی دفعہ کیا تھا۔" وہ جوش سے بولی۔

"بالکل۔"

"اور یقیناً آپ نے کسی کے ہاتھ اپنا فون یونیورسٹی بھجوا دیا ہوگا کیونکہ وہ مسلسل اسی طرف جا رہا ہے۔" وہ اسکرین کو دیکھتے کر بولی۔

"نہ صرف فون بلکہ کار بھی۔"

"تو آپ زمر کو اتنے بڑے ہوٹل میں کیسے ڈھونڈیں گے۔ کیا پتہ وہ اب تک وہاں نہ ہوں۔"

"کسی نے بتایا ہے کہ وہ لفٹ میں ہے' اور یہ کہہ کر اس نے میری نظر میں اپنے سارے گناہ دھو ڈالے ہیں۔" اس نے موبائل بند کر کے جیب میں ڈالا اور داخلے کے قریب آیا۔

"میرا روم بک ہے۔ مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔" اس نے شناختی کارڈ نکالتے ہوئے سیکیورٹی آفیسر سے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا۔ نہ کوئی روک ٹوک' نہ کوئی پوچھ گچھ۔ اسے ادب اور خوش دلی سے اندر جانے دیا گیا۔

البتہ داخلے کے قریب موجود گارڈ کو اس کی شکل دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

لابی میں داخل ہوتے ہی اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ وہ ریسیپشن کی طرف بھاگا۔ سیکیورٹی آفیسر نے فوراً تھیلی لبوں تک لے جا کر کچھ کہا۔ ہوٹل کے کنٹرول روم میں بیٹھے اہلکاروں میں سے ایک نے کان میں لگا آلہ دبا کر غور سے سنا اور پھر آگے کو ہو کر کی بورڈ پہ بٹن دبائے۔ اسکرین پہ چوکھٹے ابھرے لابی اور ریسیپشن کا منظر اور ایک طرف بھاگتا غازی۔ اس نے برق رفتاری سے فون اٹھایا۔

نیم اندھیرا آفس میں وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ اسکرین پہ لفٹ میں نظر آتی زمر پانی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سکڑی' سمٹی' اور مسلسل موبائل پہ بٹن دبائے جا رہی تھی۔ پانی اس کے کندھوں سے بالشت بھر نیچے تھا اور وہ ہاتھ اٹھا کر موبائل اوپر پکڑے ہوئے تھی۔ چہرے پہ آنسوؤں

کے نشان تھے' جیسے بیٹری ختم ہو چکی تھی اور وہ بار بار پاسورڈ ٹائپ کر رہی تھی۔ فون کی اسکرین پہ اتنا دکھائی دیتا تھا کہ وہ ٹائپ کیے جا رہی ہے۔ کیا؟ یہ سمجھ نہ آتا تھا۔ یکدم اس کے ہاتھ سے موبائل پھسلا اور اس نے سنبھل کر اسے تھامنا چاہا مگر وہ پانی میں ڈبکی کھا کر ڈوبتا چلا گیا۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ نہیں مارے۔ بس سر بند دروازے سے لگا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ پرس' موبائل' سب ڈوب چکا تھا۔ پانی اب اس کے کندھوں کے قریب پہنچتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کھڑی نہیں ہوئی۔ آنکھیں موندے زیر لب کوئی دعا پڑھنے لگی۔ (میرے بعد میرے خاندان والے کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائیں اللہ تعالیٰ۔ میرے خاندان والے.....)

"یہ تو ہارون عبید کی ہوٹل لفٹ ہے نا؟" نوشیرواں کو بالآخر یاد آ ہی گیا۔ "آپ کو کیسے پتہ تھا کہ وہ اسی لفٹ میں داخل ہوگی جس کو آپ لوگ کنٹرول کر سکیں گے؟"

"نہیں سر۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ اوپر روم تک جائیں۔ ہم نے وہاں ان کو ہراساں کرنے کے لیے کچھ لوگ اکٹھے کر رکھے تھے۔ وہ فوراً بھاگتیں اور دونوں ایلی ویٹرز کو مصروف پا کر اسی میں سوار ہو جاتیں۔ ان کو لگتا کہ وہ بچ جائیں گی مگر ایسا نہ ہوتا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ پہلے ہی اسی لفٹ میں سوار ہو گئیں۔"

تبھی فون کی بیل پہ وہ رکا اور موبائل کان سے لگایا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ فارس غازی ہوٹل کیسے پہنچ سکتا ہے؟ وہ تو کہیں اور جا رہا تھا۔" رئیس ششدر سا فون پہ بولا تھا۔ ہاشم لمحے بھر کو بالکل سن سا رہ گیا۔ پھر اس نے فون رئیس کے کان سے کھینچا۔ "کہاں ہے غازی؟ فوٹیج مرر کرو ہمارے سسٹم پہ۔" وہ غرایا تھا۔

آبدار نے پہلے اسے دیکھا' پھر نوشیرواں کو۔ شیرو آگے ہو کر بیٹھا تھا' دم سادھے۔ آبی کو دیکھتے پا کر نظریں چرا گیا۔ وہ اسے چند لمحے دیکھے گئی۔ پھر رخ موڑا۔

اسکرین پہ وہ لابی عبور کرتا نظر آ رہا تھا۔ دائیں سے بائیں بھاگتا۔ وہ ایک طرف جاتا' پھر دوسری طرف۔ ہاشم سانس روکے اسے دیکھے گیا۔ فون کان سے لگا تھا۔

"سنو..... اسے نہیں معلوم کہ وہ لڑکی کدھر ہے۔ تماشا نہ بننے دینا کیونکہ بعد میں مرڈر کیس بنے گا تو کور اپ بھی کرنا ہے۔ آرام سے اپنے سیکیورٹی آفیسرز لے کر جاؤ اور اس کو detain کر لو۔ بس چند منٹ کے لئے اسے قابو میں رکھو پھر چھوڑ دینا۔"

"مگر اسے پتہ کیسے چلا کدھر کہاں ہے؟؟" شیرو دہرسری سا الجھ بنا کر بولا۔ آبی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم نے فون نیچے کر کے اچنبھے سے کہا۔ "ہو سکتا ہے زمر نے گھر سے نکلتے ہوئے کسی کو بتایا ہو' بہر حال وہ ہمیں دھوکہ دینے کے لئے کسی کے ہاتھ اپنا موبائل یونیورسٹی بھجوا کر خود یہاں آیا ہے' لیکن اتنے بڑے ہوٹل میں وہ اسے اتنی جلدی نہیں ڈھونڈ پائے گا۔" پھر فون کان سے لگایا۔ "وہ سیکیورٹی کی مدد مانگے گا' کنٹرول روم کے کیمروں تک رسائی چاہے گا' اس کو روک کر رکھ لینا۔" وہ تیز تیز ہدایات دے رہا تھا۔ چہرے پہ غیض و غضب چھپایا تھا مگر وہ ہار نہیں مانے گا' یہ طے تھا۔ آج وہ فارس کو کچھ نہیں کرنے دے گا۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

"سر.... میرا نہیں خیال اس کی ضرورت ہے۔" ریس اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ "وہ سکیورٹی سے مدد مانگ بھی نہیں رہا۔"

واپس ہوٹل کی لابی میں آؤ تو روشنیوں اور فانوسوں سے مکمل روشن تھی۔ اونچی چھت' مرمریں فرش' درمیان میں فوارہ۔ آگے پیچھے ٹہلتے لوگ۔ غالباً وہاں کوئی کنسرٹ ہو رہا تھا اور ابھی ختم ہوا تھا تو رش کافی تھا۔ فارس پہلے ایک رخ سے دوسرے رخ تک دوڑا' پھر واپس آیا۔

اب وہ لابی کے وسط میں کھڑا تھا۔ نگاہیں تیزی سے چاروں طرف دوڑاتے' اس نے لمحے بھر میں دیکھ لیا تھا کہ دور کھڑے سکیورٹی اہلکار اسی کو دیکھ کر آپس میں بات کر رہے تھے۔ زمر کے پاس وقت کم تھا۔ اسے جو کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔

"سنو.... میری بات سنو۔" وہ کنسرٹ سے لوٹتے لڑکوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھا' ایسے کہ اس کی سانس پھولی تھی' چہرہ پسینے سے تر شدید پریشان لگتا تھا۔ اپنے اپنے موبائلز پر سر جھکائے گزرتے لڑکے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"میری بیوی.... میری بیوی لفٹ میں پھنس گئی۔ اس کی کال آئی ہے۔ واٹر لائن پھٹ گئی ہے' اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ اور یہ ہوٹل والے مدد نہیں کر رہے۔ پلیز سنو.... رکو.... میرے ساتھ چلو.... بات سنو...." وہ ان کے ساتھ ساتھ قریبی گزرتے لوگوں سے بھی التجا کر رہا تھا۔ چلا چلا کر۔ بہت سے چہرے مڑے' بہت سے قدم اس کی طرف اٹھے۔ چند لپکے۔ چند دوڑے۔

"او گاڈ یہ کیسے ہوا؟"

"کہاں ہیں آپ کی وائف؟" وہ انکھیوں سے دیکھ سکتا تھا کہ سکیورٹی گارڈز تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے' مگر ایک دم سے لابی میں کہرام مچ گیا تھا۔ جیسے ہی وہ اس طرف دوڑا جہاں لفٹس لگی تھیں' انسانوں کا ایک ریلا اس کے ساتھ بھاگا۔

"کوئی ریسکیو کو کال کرے۔"

"میں کر رہی ہوں آپ لوگ ادھر جائیں۔" شور۔ آوازیں۔ بہت کم لوگ تھے جو بیٹھے رہے' یا دیکھتے رہے' مگر ایک رش سا تھا' جس میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی' جو اپنے موبائل اور چینڈز فری جیبوں میں اڑستے فکر مندی سے اس کی طرف دوڑے تھے۔ سکیورٹی گارڈز کا راستہ رک گیا۔ کسی کو دھکے لگے' کسی کو ٹھڈا آیا۔ کوئی کچن کی طرف بھاگا کسی اوزار کی تلاش میں' کوئی آگ بجھانے والا آلہ اٹھا لایا۔

فارس دوڑتے ہوئے لفٹس کی طرف آیا تھا۔ "کون سی لفٹ میں ہے وہ؟" کوئی اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ تیز تنفس اور دھڑکتے دل کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "انہی میں سے کوئی ہے۔" ایک لفٹ کو نیچے بلانے کا بٹن دبایا۔ پھر دوسری کی طرف بھاگا' پھر تیسری کی طرف۔ سب کو نیچے بلایا۔ لوگ آگے پیچھے جمع ہو گئے تھے۔ کسی نے پولیس کو بلایا' کسی نے فائر بریگیڈ کو۔ ہوٹل کے ریسکیو کے اہلکار (جو ہاشم کے احکامات تلے نہیں تھے) اطلاع ملنے پہ لفٹ کھولنے کا سامان لے کر اپنے آفس سے باہر کو دوڑے تھے۔ اور وہ اتنے رش اور شور میں کھڑا ان تینوں لفٹس کے باری باری نیچے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وقفتا ایک کے بعد دیگرے دو دروازے کھلے۔ پہلی.... دوسری.... وہ ٹھیک تھیں۔ تیسری لفٹ کی بتی جل چکی تھی۔ وہ B2 پہ تھی۔ مگر اوپر نہیں آ رہی تھی۔

"یہی ہے۔ یہی ہے۔ بی ٹو۔ کہاں ہے بی ٹو؟" وہ مڑ کر چلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کسی نے سمت کا بولا تو وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔

بہت سے نوجوان اس کے ساتھ بھاگے۔ سیکیورٹی اہلکار بے بسی سے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

اور اسکرین پہ یہ مناظر دیکھتے ہوئے ہاشم کی رنگت بالکل سیاہ پڑ گئی تھی۔ وہ چپ تھا۔ بالکل چپ۔ رئیس چلا چلا کر فون میں ہدایات دے رہا تھا۔ گالیاں نکال رہا تھا۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ریسکیو اہلکار ہر وقت ایسی ٹریجڈیز کے لیے تیار ہوتے ہیں' ان کو یہ کہیں کہ وہ لفٹ میں پھنسی لڑکی کو بچانے نہ جائیں؟ یہ کہنے پہ وہ رکیں گے تو نہیں' البتہ ہم پہ شک کریں گے۔"

"ان کے کام میں تاخیر ڈالنے کی کوشش کرو۔" رئیس بے بسی سے کہہ رہا تھا' بار بار خائف نگاہ ہاشم پہ بھی ڈالتا۔ جس کی خاموش نظریں اسکرین پہ گڑی تھیں۔

"سر' پولیس کو بلایا گیا ہے' ہوٹل کی سیکیورٹی ٹیم کے درجنوں ممبران موجود ہیں ادھر' اور وہ سب تو ہمارے ساتھ نہیں ملے ہوئے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

ہاشم نے فون رئیس کے کان سے کھینچا اور سختی سے اس میں بولا۔ "وائپ آؤٹ کرو سب۔ ساری ویڈیوز۔ ثبوت۔ ریکارڈ۔ کالز ریکارڈ۔ سب کلین کرو۔ جلدی۔"

"یس سر!" اور اس نے فون میز پہ پھینک دیا۔ پرتپش نظریں اسکرین پہ جمی تھیں اور تنفس تیز ہوتا جا رہا تھا۔

فارس دھڑکتے دل کے ساتھ تیز تیز زینے پھلانگ رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے بہت سے مناظر گھوم رہے تھے۔ مگر وہ بار بار نفی میں سر ہلاتا۔ وہ اسے بچا لے گا۔ وہ وقت پہ پہنچ جائے گا۔ محسوس ہو رہا تھا کہ اس شور شرابے میں' بہت سے نوجوان' ملازم' سیکیورٹی گارڈز اس کے آگے پیچھے دوڑ رہے ہیں' مگر وہ کسی کا نہ انتظار کر رہا تھا' نہ جواب دے رہا تھا۔ دیوانہ وار زینے پھلانگتے ہوٹل کی سب سے نچلی بیسمنٹ میں داخل ہوا۔

وہاں طویل اور نیم اندھیر پارکنگ ایریا تھا۔ ایک کونے میں لفٹس لگی تھیں۔ وہ ان کی طرف دوڑا۔ تیسرے نمبر کی لفٹ کے دروازے پکے بند تھے۔ جڑے ہوئے' یوں لگا جیسے قدیم وقتوں کا کوئی زندان ہو۔ وہ اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ بھاگتا ہوا دروازے تک پہنچا اور اسے دھڑدھڑایا۔ "زمر.... زمر...." وہ زور زور سے چلایا۔ آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ خوف تھا۔

دوسری جانب خاموشی تھی۔ کوئی آواز' کوئی آہٹ نہیں۔ وہ دیوانہ وار دروازہ دھڑدھڑانے لگا۔ "زمر جواب دو۔ زمر...." اس کے ہاتھ سرخ پڑ رہے تھے۔ اور وہ لوہے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ لوگ قریب آ چکے تھے۔ رش کے درمیان سے راستہ بناتے ریسکیو اہلکار آئے' اور اسے ہٹانا چاہا' تاکہ وہ دروازے کو مشینری کی مدد سے کھول سکیں۔ کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر پرے دھکیلنا چاہا' مگر وہ کندھا جھٹک کر مڑا' اور ریسکیو اہلکار کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ "یہ مجھے دو' اور پیچھے ہٹو۔" غصے سے غراتے اس کے ہاتھ سے آلہ لیا اور اسے پرے ہٹایا۔ دوسرے اہلکار نے پیچھے سے اور اس نے پھر اوپر سے آلہ لفٹ کے دروازوں کی درمیانی درز میں زور سے گھسایا۔ اندر سے پانی

رسنے لگا۔ ذرا ذرا۔ اب وہ دونوں ایک سمت میں زور لگانے لگے۔ بلیڈ پکڑے اس کے زور لگاتے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی' بے قرار نظریں دروازے پہ جمی تھیں' سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ ایک دفعہ پہلے بھی دروازہ توڑا تھا۔ وہ ایسا منظر دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ٹوٹے دروازوں کے پار چھوٹتے رشتے دیکھ دیکھ کر تھک چکا تھا۔ اب نہیں' اللہ' اب نہیں۔

لوگ اونچا اونچا بول رہے تھے' ہمت بندھا رہے تھے' اور وہ دونوں زور لگا رہے تھے۔ دروازے کو دائیں طرف دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک..... دو..... تین..... عجیب سی آواز کے ساتھ دروازہ ذرا سا دائیں طرف دیوار میں گھسا۔ ایک دم پانی کا ریلا سا باہر کو چھلکا۔ سب بے اختیار پیچھے کو ہٹے۔ آلے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ بس وہ پیچھے نہیں ہوا۔

پانی پوری قوت سے باہر کو گر رہا تھا۔ وہ مکمل بھیگ چکا تھا۔ مگر ابھی کچھ نظر نہ آتا تھا کہ دوسری طرف کیا ہے۔ دروازہ بھی بالشت بھر ہی کھلا تھا۔ اس نے آلہ چھوڑ دیا اور آگے بڑھا۔ دونوں ہاتھوں سے دروازے کا کنارہ پکڑ کر زور سے اندر کو دھکیلا۔ دانت جمائے..... بازوؤں کی رگیں ابھر آئیں۔ تکلیف ہونے لگی۔ شاید اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا' اور خون نکل رہا تھا۔ ہر شے گیلی تھی۔

پانی کا سیلاب اسی طرح باہر نکل رہا تھا۔ سب پیچھے ہٹ چکے تھے۔ صرف وہ کھڑا تھا۔ بھیگتا ہوا لبوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا۔ اس کا نام' اس سے کی جانے والی منتیں۔ دھیرے دھیرے بھاری دروازہ اندر کو گھستا گیا۔ ایک فٹ تک۔ دو فٹ۔ اس نے دروازہ چھوڑ دیا۔ گہرے گہرے سانس لیتا وہ بھیگا ہوا چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اور اُدھ کھلے دروازے سے نظر آتا تھا۔

اندر گیلے فرش پہ وہ اوندھے منہ گری پڑی تھی۔ اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ بس ایک لمحے کو پیر زنجیر ہوئے' پھر وہ اندر کو لپکا۔ اس کو سیدھا کیا۔ وہ بھیگی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی یخ۔ آنکھیں بند تھیں۔ گیلی لٹیں چہرے کے ساتھ چپکی تھیں۔ ہونٹ جامنی تھے۔

"زمر....." اس پہ جھکے فارس نے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ وہ اتنی ٹھنڈی تھی کہ اس کے اپنے ہاتھ پیر بھی ٹھنڈے پڑنے لگے۔ "زمر....." اس نے پکارنے کے ساتھ اس کی گردن پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چہرے پہ۔ سانس محسوس کیا۔

وہ زندہ تھی۔ اوہ خدایا۔ وہ زندہ تھی۔ زمین پہ بیٹھتے' تھک کر اس نے چہرہ اوپر کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ گہرے گہرے سانس لئے۔ وہ زندہ تھی۔ اس نے دیر نہیں کی تھی۔

ریسکیو اہلکار اس کے پاس آ گئے تھے' کسی نے اسے تھرماہلینکٹ تھمایا' کسی نے کندھا تھپکا۔ کوئی اسٹریچر لانے کی اطلاع دے رہا تھا۔ وہ کسی کو نہیں سن رہا تھا۔ بس اسے کمبل میں لپیٹ رہا تھا۔ خود بھی بھیگا ہوا تھا' چہرے پہ بہت سے قطرے تھے' بالوں سے قطرے ٹپک رہے تھے' آنکھوں سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ "وہ زندہ ہے..... وہ ٹھیک ہے۔" وہ اسے اٹھا کر اب اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا اور خود کو کہتے ہوئے سن رہا تھا۔ وہ لڑکے اس کو مبارکباد دے رہے تھے' اس کا کندھا تھپک رہے تھے۔ وہ ہنس بھی رہا تھا' وہ شاید رو بھی رہا تھا' مگر وہ کسی کو جواب نہیں دے رہا تھا۔ وہ احتیاط سے اسے اسٹریچر پہ لٹا رہا تھا۔

ہسمعت کی سی سی ٹی وی فوٹیج نیم اندھیرے آفس میں رکھی اسکرین پہ مرر ہو کر آ رہی تھی۔ ہاشم دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ رئیس سر پکڑے

بیٹھا تھا۔ نوشیرواں منہ میں ناخن ڈالے انہیں کترے جا رہا تھا۔ اور آبدار... اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ وہ بس اسکرین پہ پچھلے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ گیلے بالوں، گیلے کپڑوں والا مرد، اپنی آنکھیں انگلیوں سے رگڑتا، کسی کے شانہ تھپکانے پر سر جھٹک کر ہنستا، کمبل میں لپٹے وجود کو اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا۔ پانی آیا تھا تو سب پیچھے ہٹ گئے تھے۔ بس وہی کھڑا رہا تھا۔ بس اسی نے لمحے بھر کی غفلت نہیں کی تھی۔

اور اب وہ اسٹریچر کو آگے دھکیل رہا تھا۔ لوگ اسے مبارکبادیں دے رہے تھے، خوش ہو رہے تھے، آوازیں نہ سنائی دیتی تھیں مگر چہروں کے تاثرات اور مسکراہٹیں سب کہہ رہی تھیں کچھ لوگ ان پہ رشک کر رہے تھے۔ ایسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے، خیال رکھنے والے شوہر۔

یہ ہوتی ہے محبت۔ اور آبدار نے ڈبڈبائی آنکھیں اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔ یہ ہوتی ہے محبت؟

وہ ماتھے پہ بل لیے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ کوٹ پرے پھینکا پڑا تھا اور آستین اوپر چڑھے تھے۔ وہ سخت غصے میں، بے بس سا نظر آتا تھا۔ بار بار پیشانی مسلتا۔ نفی میں سر ہلاتا۔ رنگت سیاہ پڑ رہی تھی۔

"یہ کیسے ہوا؟ اسے ہوٹل کا کیسے پتہ چلا؟"

"شاید مسز زمر نے گھر میں بتا رکھا ہو۔"

"مگر اسے یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ لفٹ میں ہے؟" ہاشم چونکا۔ "وہ جیسے ہی ہوٹل میں داخل ہوا، وہ فوراً لفٹ کی طرف بھاگا تھا۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا بھی لفٹ کی طرف کیا۔"

نوشیرواں نے بہت سا تھوک بدقت نگلا اور سرسری سا بولا۔ "شاید اس نے اندازہ لگایا ہو۔" ہاشم نے چونک کے اسے دیکھا۔ اور پھر ٹھہر کے دیکھتا گیا۔

"تمہارے پاس آیا تھا وہ۔ کیا وعدہ کیا تھا اس نے تم سے؟ زمر کو بچا لو تو کیا دے گا وہ؟ کیس میں معافی؟" نوشیرواں سناٹے میں رہ گیا۔ پھر بدقت بولنا چاہا۔

"بھائی، کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ مسز زمر کہاں ہیں۔ میرا تو فون بھی رئیس نے لے لیا۔ اور یاد کریں، آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ وہ ہوٹل میں ہے۔ اور پھر میں اسے کیوں بتاؤں گا؟ میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔" وہ جلدی میں غیر ضروری صفائیاں دینے لگا۔ مگر ہاشم مشتبہ نظروں سے اسے گھورے جا رہا تھا۔

"The lady doth cry too much!"

رئیس نے بھی شیرو کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"آپ میرے موبائل لینے سے پہلے باتھ روم گئے تھے۔ تب موبائل آپ کے پاس تھا۔"

"اے تم چپ کرو۔" وہ ڈپٹ کر بولا۔ "اگر اپنا پلان فیل ہوا ہے تو مجھے ذمہ دار نہ ٹھہراؤ۔ پہلے ہی ساری رات برباد کی میری۔" اکتا کر کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ "میرا فون واپس کرو تاکہ میں جاؤں۔ ایک تو تم لوگوں کا ساتھ دو، اوپر سے باتیں بھی سنو۔"

''کیا کسی انسان کے لئے مرنا صحیح ہوتا ہے؟ is that worth it? ''ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ذرا دائیں کندھے کی طرف جھکائے 'سر کے اوپر سرخ رومال بندھا تھا جس سے سرخ بال کانوں اور گالوں پہ نکل نکل کر گر رہے تھے۔ رنگت سفید زردی پر رہی تھی اور آنکھوں میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔ دکھ تھا۔ صدمہ تھا۔

(ہاشم نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے گھٹنوں کے قریب میز کا نچلا دراز کھول رکھا تھا اور اس میں رکھی کسی کے موبائل یا ٹیب کی ناکارہ ہینڈز فری دونوں ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔ البتہ جس جگہ نوشیرواں کھڑا تھا اسے آبی کے گود میں رکھے ہاتھ صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ متحیر ہوا تھا۔)

''شاید نہیں!'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ گرنے لگے۔ شیرو کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ پھسلیں۔ آبدار نے ایئر بڈ کو ایک ہاتھ سے کھینچا تو وہ تار سے الگ ہو گیا۔ اس نے ننھا ایئر بڈ مٹھی میں دبا لیا اور ٹوٹا ہوا ہینڈز فری دراز میں ڈال کر اسے اندر دھکیلتی کھڑی ہوئی۔ گیلی آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو بالکل ٹھہر کے 'غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(میں آبدار عبید ہوں اور میں ایک بری لڑکی نہیں تھی۔ میرا بھی ایک دل تھا جیسے آپ سب کا ہوتا ہے۔) مگر زبان سے وہ کہہ رہی تھی۔

''میں نے اس کے لئے کیا کیا نہیں کیا؟ اپنا پیسہ خرچ کیا' وقت صرف کیا' جان کو خطرے میں ڈالا' جو اس نے مانگا میں نے لا کر دیا۔'' انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دیتی وہ گلابی آنکھوں کے ساتھ چلائی تھی۔ ''میں نے اس کے لئے سب کچھ کیا۔ صرف یہی منظر دیکھنے کے لئے؟'' ہاشم تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا اور رئیس اور نوشیرواں بالکل سانس روکے۔

(اور کیا برا کیا میں نے اگر ہمیشہ دل کی سنی؟ دل کی مانی؟ کیا عشق مرضی سے کیا جاتا ہے؟ نہیں۔ یہ تو مرض ہے جو یوں لگتا ہے جیسے کسی کو خو لگ جاتا ہے۔ اور کسی کا نمونیہ سرطان بن جاتا ہے۔)

''میں نے سعدی کو نکلوایا' میں نے ان کو بیری انجیو کے خلاف ثبوت لا کر دیئے' فارس کو سری لنکا میں سہولیات میں نے فراہم کیں۔ مگر اسے اس وقت صرف زمر نظر آ رہی ہے۔ وہ کسی اور کو دیکھ ہی نہیں پا رہا۔ وہ اس کے لئے وہ سب نہیں کرے گی جو میں کر رہی ہوں۔ مگر اس کے لئے فارس نے خود کو خطرے میں ڈال دیا۔''

ہاشم کی آنکھوں میں برہمی ابھری۔ لب کھولے پھر بھینچ لئے۔ وہ اب قدم بقدم آگے آ رہی تھی۔ (وہ میرا کبھی نہیں ہو سکے گا اور میں نہیں جانتی کہ کسی انسان کے لیے جان دینا یا جان لینا صحیح ہے یا نہیں مگر میرا دل کہتا ہے.... آج میں سب ختم کر ہی دوں۔) اس کے چہرے پہ زمانوں کا دکھ اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ ''یہ میں تھی جو اس کی ''جان'' بچانے کے لئے رات کے اس پہر تین قاتلوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔'' بند مٹھی سے ایک انگلی نکال کر تینوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''مگر وہ اس وقت میرے بارے میں نہیں سوچ رہا ہوگا۔ وہ زمر کا ہے اور وہ زمر کا رہے گا۔ پھر میں نے اس کی غلامی کیوں کی؟''

ہاشم کی آنکھیں ذرا سکڑیں۔ ''تم نے بتایا اس کو؟'' اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

(آج میرا من کہتا ہے کہ جہاں اتنا کیا ہے اس کے لیے وہاں ایک آخری بازی بھی لگا دوں۔)

''مگر میم میں نے آپ کا فون پہلے ہی لے لیا تھا۔'' زمر بھی چونکا۔

''مجھے اپنے ہوٹل کی لفٹ پہچان کر فارس کو زمر کی لوکیشن بتانے کے لئے کسی فون کی ضرورت نہیں جب کہ میرے پاس اس کا دیا گیا بگ موجود تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے مٹھی کھولی' ائیر بڈ دو انگلیوں میں پکڑ کر ان کو دکھایا اور اس سے پہلے کہ کوئی حرکت کرتا' آبی تیزی سے ایکویریم تک آئی' ائیر بڈ دانتوں میں ڈال کر کچلا' پھر ایکویریم پہ چہرہ جھکا کر اندر تھوک دیا۔ ٹوٹا ہوا ائیر بڈ پانی میں ڈوبتا گیا۔

ہاشم دھک سے رہ گیا۔ ''تم.... تم یہاں ہوئی ساری گفتگو اس تک پہنچا رہی تھی؟'' اسے یقین نہیں آیا۔

(اگر میں ہمیشہ بری ہی تھی تو آج میرا دل کہتا ہے کہ ایک برا کام اور کر دو۔ عجیب بات.... میں اب بھی اپنی دنیا اور اپنی آخرت نہیں سوچ رہی۔ میں اس انسان کا سوچ رہی ہوں۔ یہ عشق تو غلامی ہے غلامی۔)

نوشیرواں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے' مگر آواز پھنس گئی۔ وہ بگ نہیں تھا' وہ تو اسی شکل کا عام سا ائیر پیس تھا مگر وہ نہیں کہہ سکا۔

''ہاں۔ اسے شیرو نے نہیں میں نے بتایا ہے کہ زمر کہاں ہے۔ میں نے فارس کی ''جان'' بچائی ہے۔ میں نے!'' سینے پہ مٹھی سے دستک دیتی وہ زور سے چلائی تھی۔ رئیس اٹھا' تا کہ ایکویریم سے بڈ نکالے' مگر وہ دونوں اس ایکویریم کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ سمجھ نہیں آیا کہ کیا کرے۔

''آبی!'' اس کے مقابل کھڑے ہاشم کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ تحیر بھرا صدمہ۔ ''تم نے کیوں....؟''

''کیا میں نہیں جانتی تم نے مجھے کیوں بلایا ادھر؟ تم مجھے انتخاب کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ تم میرے سامنے ایک عورت کو مار کر مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔ تم اس طرح مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مجھے ساری زندگی کے لئے خوف میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے۔ تم ہاشم.... تم مجھے اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ آج وہ مر جاتی تو میں تمہاری دہشت اور رعب کی غلام بن جاتی۔'' اس نے ہتھیلی سے گیلا چہرہ رگڑا اور نفرت سے اسے دیکھا۔ ''تم میری فارس کے لئے محبت کو خوف کی تھپکی دلا کر سلانا چاہتے تھے۔ کیا یہ تمہیں اتنا آسان لگتا ہے؟ محبت کو undo کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا ہاشم۔ مگر میں نے اس سے محبت نہیں کی۔'' وہ دو قدم مزید قریب آئی۔ ہاشم لب بھینچے تاکواری مگر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہولے ہولے سانس لے رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر غرائی۔

''میں نے اس سے عشق کیا ہے۔ عشق غلامی ہے۔ مجھے اس زندگی میں اس سے کبھی آزادی نہیں مل سکتی۔ تم مجھے اس سے آزاد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تم مجھے ایک دوسری غلامی میں ڈالنا چاہتے تھے۔ اوہ ہاشم' تمہیں کیا لگا تھا؟ میں ڈر جاؤں گی؟ تمہاری غلام بن جاؤں گی؟ اس کو سوچنے اور اس سے بات کرنے سے بھی ڈرنے لگوں گی؟ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا' اسی خوف سے اس کو چھوڑ دوں گی؟''

چنگاریوں سے دہکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے آبی نے نفی میں سر ہلایا۔

(اور آج میں یہ جان گئی ہوں کہ انسان کی غلامی نہیں کرنی چاہیے' مگر میں اس چھوٹی لڑکی جیسی بہادر نہیں ہوں۔ میں خود کو اس پھندے سے آزاد نہیں کر سکتی۔)

وہ اسی طرح دھیرے دھیرے سانس لیتا اسے دیکھے گیا۔ بنا پلک جھپکے۔ بنا ہلے۔ بنا بولے۔

"تم نے میری جان بچائی تھی' مجھے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ مگر میں نے تمہیں مسیحا نہیں مانا۔ موت کا فرشتہ مانا۔ موت کا فرشتہ کہا۔ گریم ریپر۔ جو موت بانٹتا ہے۔ ایک عجیب سا موت کا احساس تھا جو تمہارے ساتھ منسلک ہو گیا تھا۔ ہم ایک تکون بن گئے تھے۔ میں' تم اور موت۔ جب بھی تم بیمار ہوتے' میں تمہیں دیکھنے آتی' تا کہ موت بھاگ جائے۔ ہم تینوں اس تکون میں قید تھے۔ میں' تم اور موت۔ پھر وہ آیا اور میں نے اس کو اپنی تکون میں ڈالنا چاہا۔ پرونا چاہا۔ نہ تم جانے پہ تیار تھے' نہ موت جانے پہ تیار تھی۔ اسے ہی نکلنا پڑا۔" اس نے بازو لمبا کر کے میز پہ کھلی اسکرینوں کی جانب اشارہ کیا۔ "وہ چلا گیا۔ وہ اپنی زندگی کے ساتھ اس تکون میں سے نکل گیا۔ ہم تینوں پھر سے اس میں رہ گئے۔ قید۔ مگر آج میں اس قید کو توڑ کر آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں ہاشم کہ ہماری فیری ٹیل کے بھیڑیے تم ہو!" وہ درد سے کھنچی آواز سے چلائی تھی۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔ وہ ہلکے ہلکے سے سانس لیتا سنتا گیا' اسے دیکھتا گیا۔

(اور کتنی عجیب بات ہے کہ میں اسے بھیڑیا کہہ رہی ہوں مگر اندر سے وہ مجھے عزیز بھی تھا تب ہی تو میں نے کبھی اسے اپنی قید سے آزاد نہیں ہونے دیا۔ قیدی کیسے برے لگتے ہیں؟)

ایکویریم کے پانی میں جگمگاتی روشنیوں کا عکس آبدار کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ وہ عجیب سی لگ رہی تھی۔ "تم ہو ہر مسئلے' ہر فساد کی وجہ۔ تم نے ہم سب کو برباد کیا ہے۔ وہ تمہاری ماں تھی جس کی وجہ سے میری ماں مری۔ اور جیسے سعدی نے کورٹ میں بتایا۔ کرنل خاور کی زندگی بھی تم لوگوں نے برباد کی۔ باقی سب سے زیادہ تم قصوروار ہو۔ مجرم ہو۔ تم نے وارث غازی کو مارا۔ ڈاکٹر سارہ اور اس کی بیٹیوں کو تباہ کیا۔ تم نے زمر کو تباہ کیا۔ فارس کو تباہ کیا۔ نوشیرواں نے تو سعدی کو زخمی کیا تھا' مگر تم نے اس کو اتنے مہینے قید رکھ کے ذہنی مریض بنا دیا۔ تم نے خاور کو بھی برباد کیا۔ تم نے ہی اس چھوٹی لڑکی کا دل دکھایا ورنہ وہ کورٹ میں یوں نہ بولتی۔ تم نے سعدی کی ماں کا دل دکھایا۔ تم نے میرا دل توڑا۔ تم نے اپنے ہی بھائی کو بگاڑ کے رکھ دیا۔ مجھے کہتے ہو کہ فارس اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ نہیں ہاشم۔ انسانوں کے بس میں حفاظت کرنا نہیں ہوتا' مگر عزت کرنا تو ہوتا ہے۔ وہ اپنی عورتوں کی عزت تو کرواتا ہے نا۔ تم نہیں کروا سکتے۔ تم نے اپنی ماں کو کچہری میں رپورٹرز کے سوالوں کے سامنے تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بیوی کو تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بہن کو جیل میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیا۔ پورا شہر جانتا ہے کہ اصل بھیڑیے تم ہو۔ اصل قاتل' اصل گناہگار تم ہو۔ بس کر دو یہ گلٹ کی باتیں۔ مجھے افسوس ہے' مجھے دکھ ہے' بس کر دو یہ سب کہنا۔ تم جھوٹ بولتے ہو کہ تمہیں افسوس ہے' اپنے گناہوں کا۔ تمہیں کبھی افسوس نہیں تھا۔ تم جھوٹے ہو۔ عدالت میں جھوٹ بول بول کر اپنے جھوٹ تمہیں سچ لگتے ہیں۔ خود سے بھی سچے نہیں ہو تم۔ تمہیں.....کوئی.....گلٹ.....نہیں ہے ہاشم۔ تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اور تم نے کبھی بھی اپنے خاندان کو بچانے کے لئے' خاندان کی حفاظت کرنے کے لئے نہیں کیا۔ تم نے جو بھی کیا' اپنی طاقت قائم رکھنے کے لئے کیا۔ جب جاہ کے لئے کیا۔" وہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

(اور میں نے جو کیا' حب جاہ کے لئے کیا۔ جاہ اور چاہ میں فرق ہوتا ہے۔ مگر دونوں کی ہوس انسان کو برا تی ہے۔ میں ہار گئی ہوں مگر جیتنے

ہاشم کو بھی نہیں دوں گی۔ آج میں اگر کامیاب ہوئی تو فارس کے سارے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔)

''تم بھیڑیے ہو' اور تمہاری ساخت ہی ایسی ہے کہ تم بھیڑ بکریوں کو ہی کھا سکتے ہو' تم معصوموں کا خون پینے' ان کا دل نکالنے' اور ان کا جگر کاٹنے والے بھیڑیے ہو' تم ایک ایسے شیطان ہو جس کو اب وقت آ گیا ہے کہ ختم کر دینا چاہیے.... '' چلا چلا کر ہذیانی انداز میں بولتی آبدار ایک دم میز کی طرف لپکی' پیپر نائف اٹھائی اور ہاشم کے سینے میں گھسانی چاہی مگر ہاشم نے چابک دستی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا۔ وہ پوری طرح تیار ہی تھی مگر ہاشم نے اسے موڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کو گردن کی پشت سے دبوچا اور اس کا چہرہ ایکویریم میں پوری قوت سے ڈبو دیا۔

(اور اگر میں ناکام ٹھہرتی ہوں تو بھی فارس کے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ پھر کیا ہو جو میں اپنے دل کی مان لوں؟ اس دل کی جو میری مانتا ہی نہیں۔)

نوشیرواں چلا کر بڑھا تھا' مگر رئیس نے فوراً سے اسے دبوچ کر روک دیا۔

''بھائی....اسے چھوڑو....وہ مر جائے گی۔'' وہ بدقت رئیس کو ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا جو اسے آگے نہیں بڑھنے دے رہا تھا۔ مگر اس کی مزاحمت شاک کے زیر اثر ہلکی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھیں اس طرف جمی تھیں' جہاں وہ آبی کو گدی سے پکڑے' پانی میں اس کا سر ڈبوئے ہوئے تھا۔

آبدار کے ہاتھ ایکویریم کی دیواروں پہ سختی سے جمے تھے اور وہ سر ادھر ادھر پانی میں ہلانے کی کوشش کر رہی تھی' مگر اس پہ جھکے' اس کو اندر کی طرف دھکیلتے ہاشم کی قوت زیادہ تھی۔ چاقو کب کا نیچے گر چکا تھا۔

(اور میں کبھی نہیں تسلیم کروں گی کہ میں ایک بری لڑکی تھی۔ میں بری نہیں تھی۔ میرا دل برا ہو گیا تھا۔ اور دیکھو....میں اب بھی اسی آدمی کو سوچ رہی ہوں۔ کیا یہ عشق ہے یا کوئی آسیب؟)

''سب کچھ کیا میں نے تمہارے لئے....اور تم نے اس کے لئے مجھے دھوکہ دیا....'' وہ سرد مسرخ آنکھوں سے غراتے ہوئے اس کا سر پانی میں ڈبوئے ہوئے تھا۔ نوشیرواں اب پھڑ پھڑا نہیں رہا تھا۔ ششدر' ساکت کھڑا تھا۔ آبی چلا رہی تھی۔ ہاتھ پیر مار رہی تھی مگر سب بے سود تھا۔

''میں نے تمہاری جان بچائی تھی....'' اس کے ڈوبے سر کے قریب جھک کر' مسلسل نیچے کی طرف زور لگاتے' وہ زور سے چیخا تھا۔

''تمہاری زندگی پہ سب سے بڑا حق میرا تھا۔ اور تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ تم نے اس کے لئے مجھے دھوکہ دیا۔'' آبدار کی دبی دبی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ پانی میں ادھر ادھر ہلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

(اور میں کوئی پہلی دفعہ مرنے نہیں جا رہی۔ میں آبدار ہوں۔ پانی سے بنی۔ میں ایک دفعہ پانی میں پہلے بھی مر چکی ہوں۔ مگر اس وقت چند سوال ادھورے رہ گئے تھے۔ آج ان کے جواب مل جائیں گے۔ کم از کم اب میں نیوٹرل نہیں رہی۔ میں نے ایک سائیڈ چن لی تھی۔ میرے

دل کی سائیڈ۔ کم از کم اب وہ نورانی وجود مجھ سے ناراض نہیں ہوگا.... اور دیکھو میں اپنی ماں کی روح کو یہاں سے بھی دیکھ سکتی ہوں۔ ہاں اب میں اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ رہی ہوں.....)

پھر اس کے شیشے کی دیواروں پہ جمے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ جسم کو ہلکے سے جھٹکے آئے۔ مزاحمت کم ہوتی گئی۔ ہاتھ نیچے گر گئے۔ ایکویریم کے پانی میں خون کی بوندیں شامل ہوئیں۔ آبی کا سرخ رومال کھل کر پانی میں بہہ گیا۔ اس کا سر بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

(لیکن میں تمہیں بتاؤں.... انسان کے عشق میں جان دینا صحیح ہوتا ہے یا نہیں.... مگر اس کی اُجرت کسی جہان میں نہیں ملتی۔)

ہاشم نے اسے گردن سے کھینچ کر باہر نکالا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔ ہونٹ جامنی تھے۔ آنکھیں ساکت تھیں۔ ہاشم نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ وہ پورے قد سے زمین پہ آ گری۔ بے جان.... ساکت.....

نوشیرواں پلٹا اور باتھ روم کی طرف لپکا۔ دیواروں کا سہارا لیا۔ لیمپ کو تھاما۔ لیمپ نیچے گر گیا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ پکڑتے' ٹٹولتے' وہ ڈگمگاتے قدموں سے سنک کے قریب آیا' اس پہ جھکا تو منہ سے قے نکلنے لگی۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکلنے لگے.....

نیم روشن آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ رئیس بالکل ششدر' چپ کھڑا تھا۔ اور ہاشم کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس کی شرٹ اور بازو گیلے ہو چکے تھے۔ پھر وہ میز تک آیا۔ ٹشو باکس سے ٹشو باہر کھینچے۔ چہرے پہ گرے چھینٹے صاف کیے۔ گردن اور گریبان سے پانی کی بوندیں صاف کیں۔ ٹشو پرے اچھالا۔ تہہ شدہ آستین آگے کو کھولنے لگا۔ کلائی تک لایا۔ کف کے بٹن بند کیے۔ اس کی رنگت سفید تھی' برف جیسی۔ سارے تاثرات جم گئے تھے' گلیشئر ہو گئے تھے۔ سپاٹ سرد۔ اس نے گردن جھکائے' ٹائی کی گرہ کسی۔ پھر اسٹینڈ سے کوٹ اٹھا کر پہنا۔ نادیدہ شکنیں درست کیں۔ ذرا سا کالر جھاڑا۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ان کو گویا درست کیا۔ موبائل جیب میں ڈالا۔ اب کے مڑا تو آبدار کا بے جان وجود فرش پہ گرا نظر آیا۔

"کیا اس کے گارڈز باہر ہیں؟" اس نے بدلی ہوئی ٹھنڈی' ہموار آواز میں پوچھا۔ رئیس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی۔ ان کی کار ان کے ساتھ آئی تھی۔"

"کتنے ہیں؟" وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا اور نہیں بھی لگ رہا تھا۔

"تین۔"

"اور گھر میں کتنے لوگوں نے اسے ہماری کار میں بیٹھتے دیکھا تھا؟"

"چار ملازموں نے۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔"

"کل ہوئے سات۔ ان ساتوں کا بندوبست کرو۔ ان کو خرید لو یا خاموش کرا دو۔ آبدار آج رات یہاں نہیں آئی۔ وہ راول لیک گئی تھی۔ اسے موت اور ڈوبنے کی obsession تھی۔ وہ راول لیک میں ڈوب کر خودکشی کر لیتی ہے اور دو آدمی.... تمہارے کوئی سادہ وکپڑے

والے آدمی.... اس کی لاش ہسپتال لے کر جاتے ہیں۔ سرکاری ہسپتال۔ وہاں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر آفتاب واسطی اس کا پوسٹ مارٹم کرے گا اور لکھے گا کہ موت جہلم میں ڈوبنے سے ہوئی۔ ہارون شہر سے باہر ہے اس کے آنے سے پہلے رپورٹ تیار ہو جانی چاہیے۔ کل دوپہر میں جنازہ ہو جائے گا۔ میرا سیاہ شلوار سوٹ تیار کروا دینا۔ اور اب تم اس سارے میس کو صاف کرو۔" اشارہ فرش پہ گری آبی' پانی' لڑھکے فلور لیمپ وغیرہ کی طرف کیا۔ پھر آبدار کے ساتھ سے نکل کر ایکویریم تک رکا۔ اس کی سطح پہ تیرتا سرخ ریشمی رومال اٹھایا' مٹھی میں بھینچ کر نچوڑا' اور اسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ قدم قدم چلتا دروازے تک آیا تو نوشیرواں باتھ روم سے نکلتا دکھائی دیا۔ اس کا گیلا چہرہ یرقان کے مریض جیسا دکھتا تھا' اور آنکھوں میں بہت سا غم تھا۔ "اس کی جان کیوں لی؟" وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔ ہاشم نے کندھے اچکائے۔

"کیونکہ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے افسوس نہیں ہے۔ دس دفعہ موقع ملے' میں دس دفعہ یہی کروں گا!" وہ جان چکا تھا' سو سرسری سے انداز میں اطلاع دی اور باہر نکل گیا۔ لفٹ کی طرف جاتے اس کے قدموں میں ذرا سی لرزش تھی' اور چہرہ مردوں کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں بے جان تھیں۔

قصرِ کاردار کے لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ سونی کے کمرے کے باہر رکا' اور دروازہ کھولا۔ وہ اندر لحاف میں دبکی سوتی دکھائی دے رہی تھی۔

"تم اور میں۔ ہم اکیلے ہیں سونیا۔ مجھے سب نے دھوکہ دیا ہے۔ ممی' شیرو' سعدی' آبی۔ سب نے مجھے میری محبت کی سزا دی ہے۔ انہوں نے مجھے بھیڑیا بنا دیا ہے' اور اب میں ان کو دکھاؤں گا کہ بھیڑیا کیا ہوتا ہے۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے' مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے خود کو دریافت کر لیا ہے۔ میں نے سارے رشتے کھو دیے ہیں' سوائے تمہارے سونی۔ مگر اب مزید میں ان کو جیتنے نہیں دوں گا۔ یہ مجھے جتنا ہرا سکتے تھے' انہوں نے ہرا لیا۔" سونی کو دیکھتے ہوئے وہ زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا۔

"But I am not going down without a fight"

اس نے ایک عزم سے دروازہ بند کیا' اور اپنے کمرے میں آیا۔ کوٹ اتارا' اور وہ گیلا سرخ رومال بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ پھیلا دیا۔ پھر میڈیسن کیبنٹ کھولی۔ نیند کی گولیوں کی ڈبی نکالی' چند گولیاں پھانکیں' اور بغیر پانی کے نگل گیا۔ اب وہ بیڈ پہ بیٹھا جھک کر جوتے اتار رہا تھا۔ اس کے لب ایک ہی فقرہ بڑبڑا رہے تھے۔

"I am not going down without a fight"

(ختم آبزیدان)

نمل باب:

"تشبیہات"

"میں تمہیں ایک پتے کی بات بتاتی ہوں لڑکی!"

ملکہ نے بہت تفاخر سے کہا تھا۔

"اور وہ یہ ہے کہ....

ہر فیری ٹیل کا

خوشگوار انجام

نہیں ہوتا۔"

وہ چند قدم چل کر قریب آئی

اور ملکہ کے کان میں بولی۔

"آپ نے درست فرمایا تھا ملکہ عالیہ!

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ

ہر فیری ٹیل کا

خوشگوار انجام ہو

لیکن ایک بات طے ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ......

ہر فیری ٹیل میں....

ہر ظالم ملکہ......

اپنے برے انجام کو

ضرور پہنچتی ہے۔"

(شونتہ ارائمنر)

صبح کی نیلی روشنی سارے میں پھیل رہی تھی۔ اس پرتعیش ڈائننگ روم کی کھڑکیوں سے نیلاہٹ سے ڈھکا لان نظر آتا تھا جس میں پرندوں

کے بولنے کی آوازیں کسی مدھر نغمے کی مانند گونج رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں وہی تینوں ملازم احمر اور سعدی کو بٹھا کر ان کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اور اب وہ دونوں وہاں تنہا تھے۔

احمر کا لباس داغدار اور میلا کچیلا لگتا تھا۔ آستین چڑھائے' بکھرے بال' تین راتوں سے جاگتے رہنے اور تشدد سہنے کے آثار چہرے پہ شدید تھکن اور اضطراب کی صورت نمایاں تھے۔ سعدی بھی تھکا ہوا تھا' مگر احمر کی نسبت کافی بہتر تھا اور چوکنا سا بیٹھا ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

''سو پلان کیا ہے؟'' تھکے تھکے بیزار سے احمر نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

''پلان ہے تو آیا ہوں نا' ورنہ اتنا اچھا نہیں ہوں کہ کسی کے لئے یوں خطرے میں کود پڑوں۔''

بار بار کے ایک ہی سوال سے وہ بھی اکتایا۔ احمر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے شدید پریشانی ہو رہی تھی۔ سر لگ پھٹ رہا تھا۔

چوکھٹ پہ آہٹ ہوئی تو دونوں چونکے۔ پھر بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

صاحبزادی صاحبہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ قیمتی چادر سلیقے سے سر پہ اوڑھے' ایسے کہ بالوں کا ہیئر اسٹائل' کانوں کے بندے' اور گردن کا زیور صاف نظر آ رہا تھا' (آخر یہ سیاسی عورتیں دوپٹہ کرتی ہی کیوں ہیں اگر کچھ بھی ڈھکنا نہیں ہوتا۔؟) وہ شاہانہ سے انداز میں مقابل بڑے صوفے پہ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اور تمکنت سے ساتھ کھڑے ملازم کو اشارہ کیا جس نے وہ سیاہ بیگ میز پہ رکھ دیا اور پھر باہر نکل گیا۔

''یہ زیورات لے کر میں تمہیں چھوڑ دوں گی' کیا یہی سمجھا تھا تم نے؟'' سرمئی آنکھوں میں چبھن لئے احمر کو دیکھا تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ شرمندگی سے نہیں' شاید مصلحت سے۔ صاحبزادی صاحبہ نے نظروں کا رخ سعدی کی طرف پھیرا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ سادگی تھی' البتہ آنکھوں میں چمک بھی تھی۔

''آپ یہ زیورات رکھ سکتی ہیں' لیکن ہم دونوں کو آپ کو چھوڑنا ہی ہوگا۔''

''ہوں!'' اس نے غور سے سعدی کو سر سے پیر تک دیکھا۔ ''تم نے اپنی ای میل میں لکھا تھا کہ تم احمر کے فلیٹ میں جا رہے ہو جہاں میرے آدمی نادانستگی میں تمہیں یرغمال بنا لیں گے' اور چونکہ تم مشہور ہو چکے ہو تو مجھے تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ بلکہ تمہاری آؤ بھگت کرنی چاہیے۔ سو بولو تمہیں کیا کہنا چاہیے؟''

''احمر کو جانے دیں۔ حفاظت اور امن سے اور دوبارہ اس کا کبھی پیچھا نہ کریں۔'' وہ سنجیدگی سے شرائط سامنے رکھ رہا تھا۔ احمر نے پوری گردن گھما کر سعدی کو دیکھا۔ پلان کیا تھا آخر؟

وہ دھیرے سے ہنس دی۔ ''اس کو جانے دوں؟ جس نے میرے خلاف میڈیا مہم چلائی۔ مجھے میرے خاندان نے شہر بدر کر دیا۔ میرا کیریئر ختم ہونے پہ آ گیا۔ اور تم کہتے ہو کہ میں اس کو جانے دوں؟''

''سیاست کوئی ہفتہ وار کھیل نہیں ہوتا کہ کسی اسکینڈل' کسی کیس سے کوئی تباہ ہو جائے۔ آپ کا کھیل جاری رہے گا۔ اور اس نے جو بھی کیا' وہ اپنی مالکن کے کہنے پہ کیا۔ آپ اس کی مالکن سے حساب کیوں نہیں لیتیں؟ اگر میں آپ کو اس کی مالکن کا پتا کر دوں تو؟''

"یہ زیور۔ یہ وہی مشہور زمانہ زیورات ہیں نا جو ہارون عبید کی بیوی کے تھے اور غائب ہو گئے تھے؟ یہ اب جواہرات کو چاہیے ہیں نا؟ ان زیورات کے لئے میں تمہارے دوست کو کیوں چھوڑوں گی جبکہ میں ان کو حاصل کر چکی ہوں۔" اس نے تفاخر سے کندھے اچکائے تھے۔

احمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ (گھامڑ بک بھی دے پلان کیا ہے؟)

"میں نے کہا نا زیورات آپ رکھ سکتی ہیں۔ میں ان کی بات نہیں کر رہا۔" وہ احمر کی گھوریوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔

"پھر؟"

"مسز کاردار آج کل ہاشم کے زیر عتاب ہیں اور ہاشم ان سے متنفر ہے۔ وہ اس کا دل دوبارہ جیتنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

احمر نے پھر مضطرب سے ہو کر سعدی کو دیکھا۔ (یہ سب تو تجھے رات کو میں نے بتایا ہے، بے غیرت۔ اپنا کیا لایا ہے تو؟) مگر وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ اس وقت ہاشم سے ذرا سا بھی بگاڑ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ مال ہے، نہ اولاد۔ وہ بالکل بے بس ہیں تو آپ ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیں۔"

صاحبزادی صاحبہ کی بھنویں دلچسپی سے اکٹھی ہوئیں۔ "اور وہ کیسے؟"

"آپ کوئی پیشہ ور مجرم ہیں نہیں۔ یہ اپنے ڈرائیور اور مالی ٹائپ لوگوں سے آپ نہ لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں، نہ اغوا اور قتل۔ آپ ایک معذرت کے ساتھ ٹیپیکل خاتون ہیں تو عورتوں والی لڑائی لڑیں نا، جو زبان سے لڑی جاتی ہے۔ طعنوں، طنز اور چیخ و پکار کر کے۔"

"تم کچھ جانتے ہو جواہرات کے بارے میں؟" وہ ذرا آگے کو ہوئی۔

"میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے کچھ ایسا کیا ہے جو اس کے بیٹوں کو نہیں معلوم، اور اگر پتہ چل گیا تو وہ ان دونوں کو کھو دے گی۔"

احمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھی مزید دلچسپی سے آگے ہوئی۔

"ہوں۔ ایسا کیا ہے؟"

"آپ کے قبیلے کے لوگ اپنے وعدے سے نہیں پھرتے۔ پہلے ہم سے وعدہ کریں کہ اگر میں وہ بتا دوں تو آپ ہمیں جانے دیں گی۔" پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ "زندہ سلامت۔"

"اگر وہ معلومات کسی لائق ہوئی، تو ضرور۔ میرا وعدہ ہے۔"

"صاحبزادی صاحبہ۔" سعدی ہلکا سا مسکرایا۔ "ہر معلومات کی اچھی بھلی قیمت ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے وعدے سے پھریں تو میں نے غازی کو بھی میل کر دی تھی، وہ ہم دونوں کو ویسے بھی نکلوا لے گا یہاں سے، مگر میں اس تسلی کے ساتھ جانا چاہتا ہوں کہ آپ احمر کو کچھ نہیں کہیں گی دوبارہ۔"

"چلو۔ وعدہ کیا۔ اب بتاؤ۔"

کمرے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ احمر کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا سعدی کیا کہنے جا رہا ہے۔

"جواہرات کاروار نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ ہاشم اور نوشیرواں کے باپ اور تنظیب کاروار کا۔"

لمحے بھر کو کمرے میں ہوا کے ساتھ سانسیں بھی ساکن ہو گئیں۔

"اور اس کے بیٹے نہیں جانتے؟" وہ سانس روک کے بولی۔

"نہیں!" وہ دونوں ایک ساتھ بولے اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دوسرا کیسے جانتا تھا' دونوں نے سوچا۔ صاحبزادی صاحبہ کی آنکھوں میں ایسی چمک ابھری جو میز پہ رکھے زیورات سے زیادہ آنکھیں چندھیا دینے والی تھی۔

"بالطور خان...." اس نے جذبات سے مخمور آواز میں زور سے آواز لگائی۔ ملازم بھاگتا ہوا آیا۔

"ناشتہ تیار کرواؤ' اور پھر گاڑی لگواؤ۔ ہمارے مہمان ناشتے کے بعد واپس چلے جائیں گے' تب تک میں ان سے کچھ بات کرلوں۔" خوشگوار موڈ میں اس کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً مؤدب سا پلٹ گیا۔ اب وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کیا ثبوت ہے اس کا؟"

"ثابت تو نہیں کرنا آپ نے عدالت میں۔ صرف اس کے بیٹوں کو بتانا ہے۔ آگے جواہرات کا چہرہ بتا دے گا کہ وہی قاتل ہے۔" سعدی نے اطمینان سے کہا تو احمر نے جلدی سے اضافہ کیا۔ "مگر ہم آپ کو وہ واقعات بتا سکتے ہیں جو اس قتل کے آس پاس یا اس کی وجہ سے ہوئے' آپ ان کا ذکر کریں گی ہاشم کے سامنے وہ مان جائے گا۔"

"گڈ۔" وہ مسکرا کے پیچھے ہوئی۔ "میں سُن رہی ہوں۔ تم بولتے جاؤ۔"

ڈیڑھ گھنٹے بعد جب صبح پوری طرح روشن اور چمکدار ہو چکی تھی' وہ دونوں احمر کی فلیٹ بلڈنگ کے سامنے کھڑے تھے اور جو کار ان کو عزت و اکرام سے ادھر چھوڑ کے آئی تھی' وہ اب زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔ احمر اس کی طرف گھوما اور ایک دم غصے سے اسے دیکھا۔

"اب جواہرات سے کیسے بچیں گے ہم؟ ان کا اتنا بڑا راز کھول دیا ہے تم نے۔ میں کبھی بھی ان کو ایسا دغا نہ دیتا اگر تم یہ بات شروع کرتے۔"

"او ہاں لکل' تم ان کو لوٹ سکتے ہو' ان کا مال لے کر بھاگ سکتے ہو' مگر ان کو دغا نہیں دے سکتے۔ ٹھیک ٹھیک۔"

"بک بک نہ کرو۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور جیسے اضطراب کم کرنا چاہا۔ "اب میں جواہرات کا کیا کروں گا؟"

"جیسے کہ میں جانتا ہی نہیں کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ ویسے ایسے موقعوں پہ جان بچانے والے کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔" سعدی نے قدرے خفگی سے یاد دلایا۔ احمر کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ اُمڈ آئی۔ "شکریہ۔ اب کیا کچھ کھلاؤں تمہیں؟ صبح والا ناشتہ؟ نہ کہ وہ خوف والے ماحول جیسا ناشتہ۔" جھرجھری لیتے اس نے جیب پہ ہاتھ رکھا۔

"جو والٹ انہوں نے تمہارا واپس کیا تھا احمر' وہ تمہاری اس پاکٹ میں نہیں ہے' بلکہ دوسری میں ہے۔"

احمر کا ہاتھ رک گیا' مگر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "تم بدل گئے ہو پرنس ہوائے!"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

29

"I learned from the beetl"

وہ بھی سادگی سے مسکرایا تھا۔ دونوں اس خوشگوار صبح میں کھلے آسمان تلے عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔

"پھر تم یہاں سے بھاگ رہے ہو یا نہیں؟" سعدی نے پوچھ ہی لیا تھا۔ وہ جوتے سے زمین کو مسلسل سر جھکائے بولا۔

"There are three ways for a person to dieeppear. The first ie to die. The eecond ie to lie. And the laet ie to be reborn."

اور پھر ٹھہر کے بولا۔ "ولیم شیکسپیر۔" سعدی نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں سمجھ گیا۔ اپنا خیال رکھنا۔ اب میں چلتا ہوں۔" احمر نے اس کا شانہ جواباً تھپتھپایا اور مسکرا کے بولا۔ "تم بھی شادی کر لینا۔" وہ الوداعی ملاقات کسی بھی جذباتی سین کے بغیر ختم ہوئی اور وہ دونوں محض گلے ملے، پھر ہاتھ ملایا، اور سعدی پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔

اپنی کار میں آ کر بیٹھا تو دیکھا موبائل زوں زوں کر رہا تھا۔

"امی، میں آ رہا ہوں گھر اور نہیں، میں نے کورٹ میرج نہیں کر لی، آپ بے فکر رہیں۔" کار اسٹارٹ کرتے ہوئے خوشگوار سے انداز میں بولا تھا، مگر دوسری طرف کے الفاظ سن کر وہ دھک سے رہ گیا۔ "زمر؟ کیا ہوا زمر کو؟ کس ہاسپٹل میں؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی۔

ہسپتال کا وہ کمرہ خاموش سرد سا لگتا تھا۔ میز پہ رکھے تازہ پھولوں کی خوشبو نے کمرا سے معطر کر رکھا تھا۔ یہ پھول حسین لائی تھی، اور خود جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا اس وقت کوئی نہیں تھا۔ وہ یوں چت لیٹی تھی کہ سرہانے سے بیڈ اٹھا ہوا تھا، سو تکیوں پہ رکھا سر اونچا دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ پہلو میں رکھے تھے اور ان پہ نالیاں لگی تھیں۔ چند ایک خراشیں، گلا خراب، بخار، شاک۔ اس سے زیادہ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ دیکھنے میں ذرا زرد مگر پرسکون نظر آ رہی تھی۔

بیڈ پہ اس کے قریب بیٹھا، اسے دیکھتا فارس تھکا تھکا سا چہرہ لیے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھامے فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "زمر!" پھر نرمی سے پکارا۔ زمر نے نظریں پھولوں سے ہٹا کر اس کی طرف موڑیں۔ ملائمت سے مسکرائی۔ بولی کچھ نہیں۔

"شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔" جانے کس دل سے اس نے کہا اور وہ بھی کس دل سے مسکرائی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ رات والے لباس میں تھا۔ آستینیں اسی طرح چڑھا رکھی تھیں۔ چہرے پہ تھکن سے زیادہ فکر تھی۔

"ہوں!" اس نے لیٹے لیٹے سر کو ذرا سی جنبش دی۔

"میں بہت ڈر گیا تھا۔ مجھے لگا میں تمہیں کھو دوں گا۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ برقرار رہی۔

"تم بھی ڈر گئی تھیں؟"

"ہوں!" اس نے پھر سے سر کو خم دیا۔

"اب ذہنی طور پہ کیسا محسوس کر رہی ہو؟" فارس نے بات کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

"ہوں!" اس نے ساتھ ہی ذرا سے شانے اچکائے' گویا' ٹھیک ہوں' کہہ رہی ہو۔ فارس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"تمہاری آواز تو ٹھیک ہے نا؟ کیا گلا بیٹھ گیا ہے؟ تمہیں بہت چلانا پڑا ہوگا' ہے نا۔"

"اونہہ!" اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ جانے وہ تین میں سے کس بات کا جواب تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے فضا میں خاموشی پھولوں کی مہک سے لپٹی' ساکن کھڑی رہی۔ وہ بار بار لب کھولتا' پھر ٹھہر جاتا۔ وہ ایسا کیا کہے کہ آگے سے وہ کچھ بولے؟ کوئی بات کرے؟

"کچھ بولو۔ کچھ کہو۔"

اور وہ اسی طرح خاموش رہی۔ اسے زمر کو شاک سے نکالنا تھا۔ کچھ تو اسے خود کہنا پڑے گا۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا۔ بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھا مگر نہیں بتا سکا۔ کل رات مجھے پہلے سے زیادہ یہ بات محسوس ہونے لگی تھی۔" وہ اب کے نظریں جھکا کر بولا تھا۔ تکیے پہ سر رکھے لیٹی زمر اسی سادگی سے اسے دیکھے گئی۔

"مسز کاردار نے صرف تمہاری کڈنی رپورٹ میں رد و بدل نہیں کیا تھا۔ وہ تمہاری منگنی تڑوا کر تمہیں کولیٹرل ڈیمج بنانا چاہتی تھیں' تاکہ تم میرے خلاف گواہی دو۔ اس لئے انہوں نے......" اس نے سر جھٹکا۔ "وہ سب ایک جھوٹ تھا۔ کہ تم ماں نہیں بن سکو گی۔ کہ تمہاری کبھی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ تمہاری فیملی ہوگی زمر! تمہاری.... ہماری فیملی ہو سکتی ہے زمر!" وہ اب بھی نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ "مجھے یہ بات تب معلوم ہوئی جب ہم نے زندگی ابھی شروع کی تھی۔ اسی لئے میں نے تمہارے ڈاکٹر کو پیٹا تھا۔ اور میں شاید تمہیں بتا بھی دیتا مگر اسی رات سعدی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ مجھے لگا ابھی اپنے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔ پھر بعد میں' میں نے کافی عرصہ تمہیں یہ سب نہیں بتایا' کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم ایک خاندان بنانے کی آرزو میں اپنی صحت داؤ پہ لگاؤ۔ یہ ممکن ہے مگر مشکل ہے اور میں تمہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ آئی ایم سوری' مجھے یہ سب نہیں چھپانا چاہیے تھا مگر میں نے وہی کیا جو مجھے تمہارے لئے بہتر لگا۔" اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ اسے اسی طرح دیکھ رہی تھی۔ نرمی' اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے۔ اسے شک سا گزرا۔

"تم جانتی تھیں؟"

"اونہوں۔" اس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ نہیں جانتی تھی مگر جان کر بھی کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ فارس نے گہری سانس لی۔

"تمہیں برا لگا میرا تم سے چھپانا؟"

اس نے پھر نفی میں گردن کو جنبش دی۔ فارس نے بےچینی سے پہلو بدلا۔

"کچھ تو بولو زمر۔ کوئی تو بات کرو۔ کل رات کی کوئی بات کرو' کچھ کہو۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے لب کھولے۔ "قانون شہادت میں وہ کون سا آرٹیکل ہے' جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا؟" اس کی آواز صاف تھی۔

فارس بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔ اچنبھے اور پریشانی سے۔ "کیا؟"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایسا آرٹیکل موجود ہے' جس کے تحت میاں بیوی ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے پابند نہیں ہوتے؟"

فارس نے تحیر سے نفی میں سر ہلایا' تو زمر نے مسکرا کے اثبات میں گردن ہلائی۔

"دیکھا! میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"تم..... میرا خیال ہے تم آرام کرو۔ میں آپا اور حنین کو دیکھتا ہوں۔" وہ الجھا ہوا سا اس کا ہاتھ چھوڑ کے کھڑا ہو گیا۔ زمر نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں۔

"وہ ذہنی طور پہ ٹھیک نہیں ہے۔" باہر آ کر وہ حنہ کے ساتھ آ رکا اور دھیرے سے بولا۔ "مجھ سے قانون شہادت کے آرٹیکلز کا پوچھ رہی ہے۔ استغفر اللہ۔"

"ہیں!" حنہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ پھر اسے افسوس ہوا... اس ساری ایمرجنسی میں قانون شہادت کو لانے کا کیا مطلب تھا؟ یقیناً وہ ذہنی طور پہ شدید ہل کر رہ گئی تھی۔

"تم لوگ اس سے اب ایسی کوئی بات نہ کرو۔" ندرت ان دونوں کو ٹوکتیں اندر بڑھ گئیں اور اسی پل دوسری جانب سے سعدی آتا دکھائی دیا۔ فارس اور حنین جو سرگوشی میں بات کر رہے تھے' اس کو دیکھ کر اسی جانب گھوم گئے۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"زمر ٹھیک ہیں نا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے' تم کیسے ہو؟ اور یہ کیا ای میل کی ہے تم نے مجھے؟" وہ برہمی سے بولا۔

"میں مشکل میں تھا' ساری تفصیل بتاتا ہوں' پہلے میں زمر سے مل لوں۔" پریشانی سے کہتا وہ دور جاتی ندرت کے پیچھے لپکا۔ فارس آنکھیں مشکوک انداز میں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس تلخ اور اندھیری رات کا اختتام ہو چکا تھا اور یہ صبح کافی امید افزا لگتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جلا ہے جسم جہاں' دل بھی جل گیا ہو گا

کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے۔

قصر کاردار پہ عجیب سی مردنی چھائی تھی۔ صبح طلوع ہو چکی تھی اور ملازم نئے سرے سے اس محل کو سجانے سنوارنے میں لگ گئے تھے۔ مگر کوئی عجیب ویرانی اور ہولناکی سی در و دیوار سے ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں جواہرات شب خوابی کے لباس میں ملبوس لاؤنج کی کرسی پہ تمکنت سے بیٹھی' اخبار سامنے پھیلائے ہوئے مطالعے میں منہمک تھی۔ تبھی دروازہ زور سے کھلا تو اس نے عینک کے پیچھے سے نگاہیں اٹھا کے دیکھا۔

دروازہ واپس دے مار کے شیرو اندر آیا تھا۔ چال میں عجیب سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ رات کا ملگجا لباس' اور سرخ آنکھیں' بکھرے بال۔ جواہرات نے ناپسندیدگی اسے دیکھا۔

"تم ساری رات سے کدھر تھے؟ اور کیا منہ دھونے کا وقت بھی نہیں ملا تھا؟"

وہ جو چلتا جا رہا تھا' آواز پہ رکا' اور سرخ آنکھیں گھما کر تنفر سے اسے دیکھا۔

"کیا آپ کے بڑے بیٹے نے بتایا نہیں کہ اس نے کیا کیا ہے؟" جواہرات نے چونک کر اخبار نیچے کیا۔ "ہاشم؟ کیا ہوا؟ وہ ٹھیک تو ہے؟"

"بھائی نے.... ممی..... زمر کو ہوٹل کی لفٹ میں بند کر دیا.... تاکہ.... تاکہ وہ مر جائے۔" وہ درد سے تنفر سے' غصے سے دبی دبی آواز میں غرایا تو وہ سکتے میں آ گئی۔ "مگر وہ نہیں مری۔ فارس نے اسے بچا لیا' تو پتہ ہے بھائی نے کیا کیا؟ آبی کو.... آبدار کو مار دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کو میرے سامنے مار دیا۔ آبدار مر گئی' ممی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کے چہرے پہ لڑھک گئے۔ جواہرات سن سی بیٹھی رہ گئی۔

"آبدار.... مر گئی؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا۔

وہ اب دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھتا اوپر جا رہا تھا۔ مگر ملکہ ابھی تک برف بنی بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابھی بادباں کو تہہ رکھو ابھی مضطرب ہے رخ ہوا

کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا.....!!

مور چال میں شام اتری تو گھر کی رونقیں پھر سے جاگ اٹھیں۔ زمر ڈسچارج ہو کر آ گئی تھی اور اپنے کمرے میں صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ بیڈ پہ لیٹے رہنا اسے گوارا نہیں تھا۔ بال آدھے بندھے تھے اور ناک سرخ لگتی تھی۔ پانی میں پڑے رہنے کے باعث اسے بخار اور فلو ہو گیا تھا۔ سو ہاتھ میں ٹشو بھی پکڑ رکھا تھا۔ البتہ چہرے پہ بس مسکراہٹ تھی۔ بالکل ساتھ بڑے ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی' اور وہ فکرمندی سے اس کی طرف جھکے' اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھ رہے تھے۔ اور وہ ہلکی سی آواز میں جواب دے رہی تھی۔ کسی نے کسی سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ سوائے ملازموں کے' سب ہی جان گئے تھے کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا۔

"آخر یہ ہاشم کب ہماری جان چھوڑے گا؟" ابا نے نم آواز میں اس سے پوچھا تھا۔ "یہ سب کب ختم ہوگا؟"

زمر نے گہری سانس لے کر ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "پتہ نہیں۔"

"زمر!" حنہ دروازے سے اندر آئی۔ زمر نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ قدرے جھجک کر داخل ہو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں ایک سی ڈی پکڑ رکھی تھی۔ پریشان مرجھائی ہوئی لگتی تھی۔ "صرف ہاشم نہیں اور بھی لوگ شامل تھے اس میں۔ مثلاً وہ شہرین۔" اس کی آواز بہ ہی سے ذرا کانپی۔ "اس کا بھی کچھ کرنا ہوگا۔"

"چھوڑو حنین۔" زمر نے سر جھٹکا مگر اس نے وہ سی ڈی اس کی طرف بڑھائی۔

"یہ شہری کی ویڈیو ہے' جو احمر نے دی تھی بہت پہلے۔" بڑے ابا کی موجودگی کے باعث اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (کارڈ گیم' کلب والی ویڈیو!)" آپ اس کو شہری کے خلاف....."

زمر نے سی ڈی اس کے ہاتھ سے لی اور کھٹ کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ حنین کچھ بول نہیں سکی۔

"انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا حنہ۔ چھوڑو۔ جانے دو۔" اس نے دونوں ٹکڑے بے نیازی سے میز پہ ڈال دیے۔ حنہ نے سر جھکا دیا۔ چند لمحے تینوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر حنہ نے آنکھیں اٹھائیں۔ "آپ کچھ بات تو کریں۔" گویا شکایت کی۔

زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ "تمہاری آنکھیں اب کیسی ہیں؟"

"میری..... آنکھیں؟"

"ہوں..... آپریٹ ہوئی تھیں نا۔ لیزک سرجری۔ عینک اتارنے کو۔ اب نظر ٹھیک آتا ہے؟"

"جج..... جی۔" ایک عجیب حیران سی نظر اس پہ ڈالی اور "میں آتی ہوں" کہہ کر باہر نکل گئی۔

کچن کے کھلے دروازے سے دیکھا تو فارس اور سعدی کھڑے نظر آرہے تھے۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی۔

"زمر کو واقعی کچھ ہو گیا ہے۔ عجیب باتیں کرنے لگی ہیں۔" وہ فکرمندی سے بولی تھی مگر وہ دونوں متوجہ نہیں تھے۔ حنہ نے ان کے تاثرات دیکھے۔

"آپ لوگ زمر کی فکر کریں' نا کہ مسز جواہرات کی۔ مار دیا انہوں نے اپنے شوہر کو۔ اب قصہ ختم کریں ان کا۔" صبح سے وہ ساری کتھا سن کر وہ بے زار آ گئی تھی۔

"ہم اس بات کو زیادہ اچھے طریقے سے استعمال کر سکتے تھے۔" کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا فارس افسوس سے بولا تھا۔ ساتھ ہی بار بار نفی میں سر ہلاتا پھر سعدی کو گھورتا۔ "اگر تم مجھے وقت پہ بتا دیتے....."

"جیسے آپ تو کبھی کچھ چھپاتے ہی نہیں ہیں۔"

"زیادہ بک بک مت کرو۔" ان کے اپنے مسئلے تھے۔

اندر کمرے میں ابا زمر سے سوال کر رہے تھے۔ "تم اتنی چپ چاپ کیوں ہو؟"

"کیونکہ میں ہمیشہ بولتی ہی رہتی ہوں ابا۔" وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔ "آوازیں ہوا کی لہروں پہ اوپر اٹھتی ہیں' دائیں بائیں بکھرتی ہیں۔ پانی میں دب جاتی ہیں۔ اتنا سارا پانی دیکھا ہے میں نے کہ میں اب بولنا' لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتی۔" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "میں سکون' صلح صفائی سے رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ہر بات کے سو جواب نہیں دینے' مجھے بحث نہیں کرنی۔ بہت گزار لی زندگی لڑتے جھگڑتے' بحث کرتے۔ اب میں تھک گئی ہوں۔ میں سکون چاہتی ہوں۔"

"ماموں.... بھائی.... زمر...." اسامہ کی لاؤنج سے چلاتی ہوئی آواز پہ وہ چونکی' دل زور کا دھڑکا' پھر ایک دم اٹھ کر باہر کو دوڑی۔ ٹشو کہیں نیچے گر گیا۔

لاؤنج میں سب بھاگم بھاگ جمع ہوئے تھے۔ اسامہ دیوار پہ نصب ٹی وی اسکرین کے سامنے کھڑا تھا جہاں خبر چل رہی تھی' نیوز کاسٹر بول رہی تھی' تصویریں چمک رہی تھیں' مگر اسامہ سکتے سے صرف ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

"آبدار عبید.... ڈوب کر.... مر گئی....." لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور بدقت صوفے پہ بیٹھتی چلی گئی۔ حنین نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ سعدی نے پریشانی سے کچھ بڑبڑاتے جلدی سے موبائل نکالا تھا اور فارس..... وہ..... خالی خالی نظروں سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈوب کر مری تھی۔ وہ پانی میں مری تھی۔ وہ آبدار تھی۔ پانی سے بنی.... کانچ سے بنی.... وہ اسکرین کو دیکھ رہا تھا اور اس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قبریں ہی بتا سکتی ہیں.... اس شہرِ جبر میں
مر کر دفن ہوئے ہیں.... کہ زندہ گزر گئے ہیں لوگ

دو دن بعد:۔

ہارون عبید کی رہائشگاہ کے سبزہ زار پہ گزشتہ دو روز سے عجیب سناٹا چھایا تھا۔ سارے پرندے سہم کر اڑ گئے تھے۔ مور اپنے پنجروں میں دبک کر بیٹھے تھے۔ جانور ساری ساری رات عجیب سی آوازیں نکالتے تھے' اور ایک سفید ایرانی بلی تھی جو درد سے چلاتی سارے میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔ ہر شے پہ چھپتی' ہر کونا سونگھتی' مگر قرار کہیں نہیں تھا۔ اس وقت بھی وہ سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر بھاگتی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ راہداری عبور کی اور اسٹڈی کے ادھ کھلے دروازے کے سامنے جا رکی۔ درد سے عجیب آوازیں نکالتی وہ وہیں ڈور میٹ پہ بیٹھ گئی اور سر اپنی کھال میں دے دیا۔

اسٹڈی میں نیم اندھیرا تھا۔ ہارون آرام دہ کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دو انگلیوں میں سگار دبا تھا جس سے دھوئیں کے مرغولے اڑ اڑ کر فضا میں گم ہو رہے تھے۔ سارے میں سفید دھواں سا بکھرا محسوس ہوتا تھا اور نکوٹین کی بو۔ ان کا لباس بے داغ' کلف لگا' نفیس سا تھا' بال شیو سب بنے تھے۔ بس چہرے پہ گہری ویرانی تھی۔ آنکھوں میں خالی پن تھا۔ ایسا درد دل کو کاٹتا تھا جو نہ کبھی پہلے محسوس ہوا تھا نہ کبھی محسوس کرنا

چاہا تھا۔ میز پہ ایک فوٹو فریم رکھا تھا جس میں سرخ رومال سر پہ باندھے مسکراتی ہوئی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ ہارون کی ویران نظریں اس شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔

ساتھ رکھا موبائل زوں زوں کرنے لگا تو وہ گہری سانس لے کر سیدھے ہوئے۔ سگار ایش ٹرے میں ڈالا' اور کھنکھار کے خود کو کمپوز کیا' پھر فون کان سے لگایا۔

"تمہاری بیٹی کا مجھے بہت افسوس ہے۔" جواہرات کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ "جنازے میں سرسری ملاقات ہو سکی تم سے۔ تفصیل سے بات ہی نہیں ہو پائی۔ سوچا چوٹ ذرا ٹھنڈی پڑ جائے تو کال کروں گی۔"

"سن رہا ہوں بولو۔" ان کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"ظاہر ہے' میں نے ہی بولنا ہے کیونکہ تم ہر لحاظ سے سننے کی پوزیشن میں ہو۔"

"میں جانتا ہوں یہ سب تمہارے بیٹے نے کیا ہے۔" ان کی آواز کانپی۔

"کیوں خود کو تھکا رہے ہو یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی؟ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم اسے استعمال کرنا چاہتے تھے' اس کے گارڈز میں اضافہ بھی اس لئے کیا تھا کہ کوئی اس کو تمہاری کمزوری سمجھ کر تمہارے خلاف استعمال نہ کر سکے۔ تم اس کے ذریعے ہماری دولت اور طاقت میں شراکت چاہتے تھے' اور یوسفز کے ذریعے ہمیں تباہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ دونوں کام تم خود کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اس لئے....." وہ رکی۔ سانس لی۔ "اب تمہارا غم ہلکا ہو ہی گیا ہو گا تو میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی چلوں۔ میں اور ہاشم تمہیں تمہارے منہ مانگے شیئرز اور کمپنی assets دینے کے لئے تیار ہیں۔"

وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ بولے کچھ نہیں۔ آنکھیں مزید سرخ پڑ رہی تھیں۔

"تم ایک سیاستدان ہو ہارون' اور سیاستدانوں کی طاقت کے لئے ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تم ہم سے بگاڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکو گے۔ اور ہمارے وہ دوست جن کے پیسے کو وزیرستان سے آگے جانے کے لئے ہماری مدد چاہیے ہوتی ہے' ان کو بھی اچھا نہیں لگے گا اگر تم اور ہم آپس میں بگاڑ لیں۔ تو یوں کرو' ہمارے گھر آ جاؤ۔ آج ہی ہم ڈیل کر لیتے ہیں۔"

"مجھے ہر چیز کا معاہدات پہ چاہیے' بلیک اینڈ وائٹ میں۔ اور زرنگار کے زیورات بھی۔" وہ سرد مہری سے بولے تھے۔

"وہ بھی مل جائیں گے۔ مگر شیئرز اور دوسرے اثاثہ جات کی بات پہلے ہو گی۔ میں لنچ پہ انتظار کر رہی ہوں۔" خوشگوار سے انداز میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو ہارون نے موبائل بیزاری سے میز پہ ڈال دیا اور آنکھیں میچ لیں۔

قصر کاردار میں واپس آؤ تو ہاشم کے کمرے کے پردے بند تھے' اور وہ رف سی جینز ٹی شرٹ میں ملبوس صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ دوپہر کے باوجود اندھیرا لگتا تھا' مگر ہاشم کا ویران چہرہ' بڑھی شیو' بکھرے بال' سب ٹیبل لیمپس کی زرد روشنی میں نظر آ رہا تھا۔

کھڑکی کے قریب کھڑی جواہرات نے موبائل میز پہ رکھا اور اپنائیت سے مسکراتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ وہ سنجیدگی سے سامنے

دیکھتا رہا۔ سپاٹ۔ سرد سا۔ جواہرات نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے دبایا۔ "میں تمہیں سمجھ سکتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تھینکس۔" اس کے چہرے پہ چھائی سرد برف میں دراڑ پڑی۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟ دو دن سے کمرے سے نہیں نکلے۔"

"ٹھیک ہوں، ممی!" وہ دھیرے سے بولا۔

"تمہیں گلٹ ہے؟" وہ نرمی سے کہتی اس کے ساتھ بیٹھی۔

"نہیں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے جو کیا، ٹھیک کیا۔" وہ گردن کڑا کے بولا تھا۔ "اور اب جو بھی مجھے دکھ دے گا، میں اس کو اپنے ہاتھوں سے عبرتناک شکست دوں گا۔" اس کی آنکھوں میں آگ کی لپٹیں سی اٹھ رہی تھیں۔ جواہرات مسکرائی۔

"گڈ۔ امید ہے اب تم مجھے سمجھ سکو گے۔ میں نے خاور اور سعدی کی موت کا حکم نامہ اس لئے جاری کیا تھا کیونکہ میں تمہیں مزید تکلیف سے بچانا چاہتی تھی۔ اگر وہ دونوں مر گئے ہوتے تو اس دن کی نوبت نہ آتی۔"

ہاشم نے محض سر کو خم دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ جواہرات غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ اسے تسلی ہوئی۔ سرد دیوار پگھل رہی تھی۔

"کل سے میں تمہارے ساتھ آفس آؤں گی۔ ان کاغذات کو واپس لے لو۔ ہارون سے متعلق بہت سے معاملات مجھے ہی سنبھالنے ہوں گے۔" ملکہ کو اپنا تخت واپس مل گیا تھا۔ ولی عہد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اسے دیکھا۔

"ہارون..... کیا مجھے یونہی جانے دے گا؟" وہ ذرا حیران تھا۔ جواہرات بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی گوری رنگت میں گلابیاں سی گھل گئیں۔

"ارے تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ ہر انسان کو اپنی اولاد سے اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی مجھے ہے؟ نہیں ہاشم۔ ہر طاقتور، ہر دولتمند انسان اپنی اولاد کی میری طرح پرستش نہیں کرتا۔ ہم اس کے غم کا مداوا کر دیں گے تو وہ ہمارے سامنے آواز تک نہیں نکال سکے گا اور پھر جو بھی ہو، تمہاری ماں...." اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"تمہارے ساتھ ہے!" ہاشم نے اب کے نرمی سے شکریہ کہا تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آ رہا تھا۔ اور جواہرات کسی ایسی فیری ٹیل ملکہ کی طرح لگ رہی تھی جو کسی نوجوان خوبصورت لڑکی کا خون پینے کے بعد پھر سے جوان ہو جاتی ہے۔

سائیڈ ٹیبل پر رکھا... ابھی تک گیلا محسوس ہوتا سرخ رومال... اسی خاموشی سے وہاں پڑا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوداگری سے ہم کو سودا نہیں ہے کچھ بھی
کوئی پیچ کھائے گاہک بدل بدل کے

سورج سوا نیزے پہ تھا۔ اور فوڈ ڈلیوری آفس کی اونچی کھڑکیاں دھوپ سے چمک رہی تھیں۔ پارکنگ لاٹ میں کار روک کر فارس باہر نکلا تو وہ سنجیدہ سا دکھائی دیتا تھا۔ بھوری شرٹ پہنے' بال تازہ چھوٹے کٹے تھے۔ بھنویں بھینچے وہ دروازہ لاک کر رہا تھا جب نوشیرواں اس کے قریب جا رکا۔ وہ احساس ہونے پہ پلٹا۔ اس سے نگاہ ملی تو خاموشی سے واپس مڑ کے کار کا لاک پھر سے چیک کرنے لگا۔

"آبدار مر گئی' فارس!" شیرو کے الفاظ ٹوٹے ہوئے تھے مگر حلیہ آج ٹھیک تھا۔ وہ ڈریس شرٹ اور کوٹ میں ملبوس تھا' اور شیو بھی بنی ہوئی تھی مگر ناک گلابی تھی' اور آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔

"جانتا ہوں۔" وہ سپاٹ سا واپس گھوما' ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔ "کیوں آئے ہو؟"

"وہ وہیں تھی۔ اس رات... میں نے لفٹ کا بتایا تمہیں مگر اس نے الزام اپنے سر لے لیا۔ ہاشم بھائی نے میرے سامنے اس کو مار دیا۔"

"تم کیوں آئے ہو؟" وہ دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں نے زکام زدہ انداز میں ناک سے سانس اندر کھینچی۔

"خیر..." اس نے سر جھٹکا۔ "ہماری ڈیل کا کیا؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ کیس واپس لے لو گے۔"

"اچھا۔ مجھے ایسا کوئی وعدہ یاد نہیں۔"

"کیا؟" شیرو کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"میں نے کہا تھا' سعدی سے کہوں گا کہ تمہیں معاف کر دے۔ وہ میں کہنے کی کوشش کروں گا' جب عدالت تمہیں سزا سنا دے گی.... تب!!!۔ اور کچھ؟"

"میں نے تمہاری..." وہ زور سے بولنے لگا' پھر ارد گرد آتے جاتے لوگوں کا احساس کر کے قریب آیا اور دبا سا غرایا۔ "میں نے تمہاری مدد کی۔ زمر کو بچایا۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ تم صرف کوشش کرو گے؟ اور اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو؟"

"تم نے آبدار کو بچانے کی کوشش کی؟ کیا تم اس میں کامیاب ہوئے؟" وہ تندہی سے بولا تھا۔ شیرو لمحے بھر کو کچھ کہہ نہیں سکا۔

"وہ میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔"

"اور یہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔" وہ رکھائی سے کہتا پلٹ گیا مگر نوشیرواں تیزی سے اس کے سامنے آیا۔

"میرے خلاف کیس واپس لے لو' مجھے باعزت بری ہونے دو' میں ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا' نئی زندگی شروع کر لوں گا' اور میں آبدار کے قتل کیس میں گواہی دینے کو بھی تیار ہوں۔ میں نے خود ہاشم بھائی کو اسے مارتے دیکھا ہے۔"

فارس نے افسوس اور ترحم سے اسے دیکھا۔ "ہمیشہ اپنا ہی سوچتے ہو تم۔ جو بھائی تمہیں بچانے کے لئے سب کر رہا ہے' اس کے خلاف کھڑے ہونے کو تیار ہو؟ واہ۔"

"مگر آبدار کے قتل کیس میں تم لوگوں کو اس سے بڑی گواہی کہاں سے ملے گی؟"

"اے... کون سا قتل کیس؟ کہاں کا کیس؟ ہم کوئی کیس نہیں کر رہے کسی پہ۔ ہم آبدار کی فیملی نہیں ہیں۔ جو کیس ہو گا وہ اس کا باپ کرے گا۔ ہم نہیں کر سکتے۔ اس لئے میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں نے کہا نا' سعدی سے بات کروں گا' آگے اس کی مرضی۔"

"میں نے زمر کی جان بچائی ہے فارس!"

"یہ مت بھولو کہ وہ اس سب کا شکار بھی تمہاری وجہ سے ہوئی تھی۔ کوئی احسان نہیں کیا تم نے اس پہ۔ اور یہاں سے چلتے بنو۔ تمہارے بھائی کے ہرکاروں نے دیکھ لیا تو تمہاری جان لے لے گا۔" اور ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں دبے دبے غصے سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ فارس بے حس نہیں ہے۔ وہ ڈسٹرب ہے۔

اور قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال میں اشتہا انگیز مہک پھیلی تھی۔ طویل میز انواع و اقسام کے طعام سے سجی تھی۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھی جواہرات دائیں ہاتھ پہ براجمان ہارون کی طرف کاغذ بڑھا رہی تھی جنہیں وہ انہماک سے پڑھنے لگے تھے۔ پھر مقابل بیٹھے 'شیو بنائے' بال جمائے' تازہ دم سے ہاشم نے قلم ہارون کی طرف بڑھایا تو انہوں نے اسے تھامتے ہوئے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی پھر دستخط کر دیے۔ وکلاء نے اٹھ کر ہاتھ ملائے' جواہرات نے مبارکباد دی اور ہاشم نے فاتحانہ نگاہوں سے ہارون کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا جسے انہوں نے بدقت مسکرا کے تھاما۔ سارے سودے طے ہو گئے' سارے حساب ختم ہو گئے۔ اور ملکہ اپنی سربراہی کرسی پہ لوٹ آئی تھی۔ کیا زندگی اس سے بھی زیادہ حسین ہو سکتی تھی؟ جواہرات نے سوچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

نوشیرواں کے جانے کے بعد فارس کچھ دیر فوڈ ڈلی ایور آفٹر کے کاؤنٹر پہ بے مقصد حساب کتاب چیک کرتا رہا' پھر باہر نکل آیا۔ وہ بہت خاموش تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ۔ جیسے ہر طرف سکوت ہو۔ سناٹا ہو۔ وہ اسی خاموشی سے کار میں بیٹھا اور اسے بے مقصد سڑکوں پہ دوڑاتا گیا۔ تارکول کی گرم دہکتی سڑکیں.... ساتھ سے بھاگتے درخت.... اور زندگی بھی پیچھے کو بھاگنے لگی تھی.....

زرتاشہ کے قتل کو دو دن ہوئے تھے شاید۔ وہ اب روز زمر کی خیریت پوچھنے جانے لگا تھا۔ بار بار۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس روز وہ اور زرتاشہ وہاں کیا کر رہی تھیں۔ جب زمر ہوش میں نہ آئی اور اسے کوئی جواب نہ مل پایا تو وہ دوسرے رشتے داروں سے جواب مانگنے لگا۔ اس کی دوستیں' گھر والے' کسی کو کچھ بتایا ہو گا زرتاشہ نے۔ مگر کوئی بھی باخبر نہ تھا۔ سفید دھند آنکھوں سے ہٹی تو اس کی ساری حسیات جاگنے لگیں۔ وہ زرتاشہ کی موت کا سراغ لگا کر رہے گا' یہ تو طے تھا۔ مگر کہاں سے اور کیسے؟ اس نے زرتاشہ کا کمرہ کھنگالا۔ ہر شے الٹ پلٹ کر دی' اور تب ہی اس کو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے وہ سی ڈی ملی۔ وہ ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ کی مووی تھی' وہ کنفیوژن پڑھ کر ہی رکھ دیتا مگر یونہی

باکس کھولا تو اندر ایک پیلا پوسٹ اٹ نوٹ لگا تھا۔ زرتاشہ کی عادت تھی' گھر میں ہر جگہ، بالخصوص فریج پہ پیلے نوٹس لگا کر رکھتی تھی۔ گروسری میں کیا لانا ہے' کس کی سالگرہ آنے والی ہے۔ یہ بھی اس نے لگایا تھا۔ وہ ٹھہر کر دیکھنے لگا۔ اس میں دو مختلف نمبرز لکھے تھے۔ دو اوقات۔ دونوں کے درمیان تقریباً دو گھنٹے کا وقفہ تھا۔ وہ موڑی اٹھالایا اور اسے لیپ ٹاپ میں لگا کر دیکھنے لگا۔ وہ پارٹی کے ہی اوقات کار تھے (ویڈیو کے کونے میں وقت لکھا آ رہا تھا۔) اس نے متعلقہ وقت تک ویڈیو فارورڈ کی۔ وہ لاؤنج کا منظر تھا۔ اس نے دوسرے وقت تک فارورڈ کی۔ وہ بھی لاؤنج کا منظر تھا۔ ان دونوں مناظر میں کچھ خاص نہ تھا۔ تقریب کے عام سے مناظر تھے۔ ان میں سب ہی مہمان موجود نظر آتے تھے۔ پھر زرتاشہ نے ان دونوں اوقات کو نوٹ کیوں کیا؟ وہ دوبارہ دیکھنے لگا۔ پہلے وقت میں خاور سیڑھیاں اترتا دکھائی دے رہا تھا' اور دوسرے پوائنٹ پہ وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ باقی سب ویسے ہی تھے۔ البتہ ان دونوں نقاط کے درمیان ڈیڑھ دو گھنٹے کے لئے خاور کہیں نظر نہ آتا تھا۔ تب پہلی دفعہ اسے شک سا ہوا' مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ مگر پھر زیادہ موقع نہ ملا کیونکہ اگلے روز پولیس اس کو گرفتار کرنے آن پہنچی۔ زمر یوسف نے بیان میں نہ صرف اس کو نامزد کیا تھا بلکہ لمبی سی کہانی بھی سنائی تھی۔ فارس نے کبھی امید نہیں کی تھی کہ وہ گرفتار بھی ہوسکتا ہے۔ اس گرفتاری نے اسے شدید دھچکا لگایا تھا۔

سعدی بار بار آتا' صفائیاں دیتا' امیدیں دلاتا' مگر اسکا غصہ اور فرسٹریشن بڑھتی جا رہی تھی۔ تھانے کا حوالات عجیب سا تھا۔ گھٹن زدہ جگہ جہاں مستقبل تک تاریک نظر آتا تھا۔ اور انہی تاریک راتوں میں وہ بیٹھ کر زرتاشہ کی سی ڈی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اگر وہ پارٹی میں نہیں تھا تو خاور بھی نہیں تھا۔ اور خاور کو تو ہاشم چلاتا تھا۔ تو کیا ہاشم.....؟ لیکن پھر اور کون ہوسکتا تھا؟ کون اس کے گھر سے اس کی گن نکال سکتا تھا' اس کی کار میں ثبوت رکھوا سکتا تھا۔ اتنا قریب کون تھا آخر؟

اس روز سعدی اسے جیل میں دیکھنے آیا تو وہ پھٹ پڑا۔ کہہ دیا کہ اسے ہاشم پہ شک ہے۔ سعدی الٹا اسے ملامت کرنے لگا اور اندر آتا ہاشم الگ طریقے سے شروع ہوگیا۔ وقتی طور پہ وہ چپ ہوگیا۔ کیا حوالات اسے ذہنی طور پہ اتنا پست بنا چکے تھے کہ وہ اپنوں پہ شک کرنے لگا تھا؟ اس نے پھر سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔

سارا خاندان ایک طرف اور زمر ایک طرف۔ زمر نے بیان واپس نہیں لیا' نتیجتاً اس کو چودہ روز بعد جیل بھیج دیا گیا۔ تھانے کا حوالات مختلف شے تھی۔ دنیا میں تمام ملزموں کو تھانے کے حوالات میں رکھا جاتا ہے' ملزم یعنی وہ جس کے کیس کا ابھی فیصلہ نہیں آیا۔ مگر پاکستان وہ ملک ہے جہاں ملزموں کو بھی 'مجرموں' کے ساتھ جیل میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور جیل حوالات جیسی نہیں ہوتی۔ جیل ایک بہت بڑی تاریک مہیب سی دنیا تھی جس کے اندر عجیب لوگ بستے تھے' عجیب داستانیں پنپتی تھیں۔

جیل میں اے' بی' اور سی کلاس تھی۔ ہر کلاس کے اپنے بلاک تھے۔ تعلیم یافتہ اور دولتمند لوگوں کو اے یا بی کلاس میں بھیجا جاتا تھا۔ اس کو بھی اے کلاس الاٹ ہوئی تھی۔ یہ الاٹمنٹ عدالت نے کر کے دی تھی' مگر جس لمحے وہ جیل میں داخل ہوا' وہ ساری کہانیاں جو اس نے "قراطین" کے بارے میں سن رکھی تھیں' وہ سچ ثابت ہونے لگیں۔ اسے ڈرایا گیا' سمجھایا گیا کہ جیل کا Quarantine آفیسر جس کو

دیسی انداز میں قراطین کہا جاتا تھا' جیل کے سیاہ اور سرمئی کا مالک ہے کیونکہ یہاں کوئی سفید نہ تھا۔ وہ طے کرے گا کہ آپ کس بلاک میں جائیں گے' وہ طے کرے گا کہ آپ جیل کا کھانا کھانا ہے یا آپ کے رشتے داروں کا بھیجا من وسلویٰ آپ کو مل سکتا ہے۔ وہ طے کرے گا کہ آپ چار پانچ افراد کے ساتھ مل کر خفیہ چولہا رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ ہانڈی وال آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے' اور آپ کے رشتے داروں کو ہر ملاقات پہ اسے 25 ہزار رشوت دینی ہے یا 50 ہزار' یہ سارے فیصلے قراطین کرے گا۔ اسے قراطین سے نہیں بگاڑنی تھی۔ اسے قراطین کو خوش رکھنا ہے۔ اور قراطین نے اسے دیکھتے ہی پہلی بات یہ کہی تھی کہ تم وہی ہونا جس کی بیوی اور جس کا بھائی.... اور دوسری بات کا موقع وہ اسے دے نہیں سکا۔ حوالات کی ساری فرسٹریشن اس نے قراطین پہ نکالی۔ وہ اسے دبوچ کر' گرا کے مارنے لگا۔ اتنا پیٹا' اتنا پیٹا کہ آنکھ کے قریب سے خون بہتی کی صورت بہنے لگا۔

اس کے بعد قراطین نے چند ہفتے کسی کو اس سے ملنے نہ دیا' اور اس کو سی کلاس عنایت کردی۔ اس کو کھانے میں سب سے گھٹیا نسل کا کھانا ملتا اور بات بات پہ رشوت طلب کی جاتی۔ اس قراطین کا نام جلال الدین آتش تھا اور اس سے ہر شخص خار کھاتا تھا۔ کوئی اس کے تعلقات سے جلتا تھا تو کوئی اس کی طاقت سے خائف تھا۔ آتش اس جیل کا بادشاہ تھا۔ وہ جان کر فارس غازی کے سامنے ایسے مواقع پیدا کرتا' ایسی باتیں کھلواتا کہ فارس اس کو غصے میں آ کر مارنے لگ جائے' مگر وہ اسے دوبارہ نہیں مار سکا۔ قراطین کو پہلے دن مارنے اور پھر جیل میں آگے پیچھے آدھ درجن قیدیوں کو مختلف مواقع پہ پیٹنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اکیلا ہوتا جا رہا ہے۔ اسے ہر وقت اپنی نگرانی خود کرنی پڑتی تھی۔ اس کا کوئی دوست نہ تھا' اور وہ ہر ایک سے چوکنا تھا۔ اسے تنہا دیکھ کر کوئی بھی اسے مار دیتا' یہ خوف اس کے اندر جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔

چند دن بعد اسے احساس ہوا تھا کہ جیل کے کسی قیدی کی شکایت کسی پولیس اہلکار سے نہیں کی جاتی۔ چاہے دنیا کا کوئی بھی ملک ہو' اور چاہے وہ قیدی آپ کو چاقو بھی نہ کیوں مار دے' بس اتنا کہو کہ حادثہ تھا' بس اتنا بتاؤ کہ میری اپنی غلطی تھی۔ کیونکہ اس قیدی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا' مگر بعد میں آپ دونوں کو ایک ساتھ ایک ہی جیل میں گزارا کرنا ہے۔ جب کوئی قیدی کسی دوسرے کی شکایت کرتا ہے تو سارے قیدی اس کے خلاف ہو جاتے ہیں' اور کوئی اس پہ اعتماد نہیں کرتا۔ ایک ایسی جگہ جو عادی مجرموں' قاتلوں' غنڈے اچکوں سے بھری ہوئی ہے' وہاں دوستوں کے بغیر گزارا نہیں ہے اور دوست اس کے کوئی تھے نہیں۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' وہ مزید غیر محفوظ اور فکر مند رہنے لگا۔ اس نے لڑنا جھگڑنا بالکل ترک کر دیا۔ خاموش رہتا۔ چوکنا رہتا۔ پریشان رہتا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ دوست کیسے بنائے۔ ساتھی کہاں سے ڈھونڈے۔ اسے ایک دوست چاہیے تھا۔ ایک مضبوط طاقتور ساتھی۔ سیکرٹری صاحب جیل کے دورے پہ آئے تھے۔ ایک دن پہلے سے سارے میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پروٹوکول' نمود و نمائش' چھوٹے ریکارڈز۔ وہ خاموشی سے اپنے حصے کا کام کرتا رہا۔ جس وقت سیکرٹری صاحب اس کے قریب سے مع اپنے مصاحبین کے گزرے' اس نے ان کو انگریزی میں مخاطب کیا اور کہا۔

"سر لوگ میرے بارے میں جھوٹ گھڑ رہے ہیں' میڈیا رپورٹرز کو بیئر فورس جیبن حملہ میں ملوث عناصر کی اس جیل میں موجودگی کی خبر میں

نے نہیں دی۔ نہ ہی میں نے پولیس حکام کے اس دہشت گردی کے واقعے میں ملوث ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ میں تو صرف اپنے گھر والوں کو خط لکھتا ہوں۔ پولیس کے عملے کو منع کریں مجھے تنگ نہ کرے۔''

سیکرٹری صاحب اس کو آفس میں لے گئے۔ اس کو چائے پلوائی گئی اور اس سے نرمی سے پوچھا کہ وہ کیا جانتا ہے' اور اگر اس نے میڈیا والوں کو اس جیل میں دہشت گردوں کے سہولت کاروں کا بتایا بھی تھا تو خیر ہے وہ ان پہ اعتماد کر سکتا ہے۔

یہ ایک ایسا کیس تھا جس پہ گرفتاری سے پہلے وہ کام کر رہا تھا اور اس کے کچھ اہم نکات جانتا تھا۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا مگر جتنے تردد سے وہ انکار کر رہا تھا' سامنے بیٹھے اعلیٰ افسران کو گمان ہوا کہ پولیس اس کا منہ بند کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس سب کے دو نتائج نکل سکتے تھے۔ یا اس کو رہا کر کے کیس پہ کام کرنے دیا جاتا۔ یا ملوث اہلکاروں کو بھی جیل میں پھینک دیا جاتا۔ دونوں آپشن اچھے تھے۔

وہ بار بار انکار کرتا رہا' کہ وہ اس سب خبر کے لیک کرنے میں شامل نہیں تھا' اور نہ ہی اس نے قراطین آتش کا نام لیا ہے۔ آتش بالکل بے قصور ہے اور وہ تو ایسا آدمی ہے ہی نہیں جو شوال کی فلاں مسجد سے تعلق رکھتا ہو۔ اس وقت تو اس کو عزت سے واپس بھیج دیا گیا' مگر اگلے روز سے کسی نے آتش کو جیل میں نہیں دیکھا۔ اسے سادہ کپڑوں والے اٹھا کر لے گئے تھے' اور کافی عرصہ اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر جب تفتیش کے دوران وہ دہشت گردی کے سہولت کاری کے الزام سے بری ہو گیا' مگر دوسرے کئی جرائم قبول کرنے پڑے تو اس کو واپس اسی جیل بھیج دیا گیا۔ مگر ایک قیدی کے روپ میں۔

اور جس وقت وہ جیل میں داخل ہو رہا تھا' اس کی آنکھ کے زخم کے نشان کو دیکھتے ہوئے فارس غازی مسکرایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جیسا ایک اکیلا مسافر بھی اس جہنمی مسافر خانے کا مہمان بننے آ چکا ہے۔ یہ وہ جیل تھی جہاں آتش ہر قیدی کا قرض دار تھا۔ کسی کے جسم پہ چوٹیں لگوانے' کسی کو معذور کرنے' اور کسی کو کنگال کرنے کا مجرم تھا وہ۔

اس وقت کے قراطین نے اس کو بھی سی کلاس میں بھیجا تھا۔ نہ پولیس اس کی رہی تھی' نہ قیدی اس کے ہمدرد تھے۔ اس کا غرور' اکڑ' طنطنہ سب خاک میں مل چکا تھا۔ وہ خاموشی سے آیا اور فارس غازی کے قریب بیٹھ گیا۔

اس روز سے وہ دونوں ساتھی بن گئے۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بھولا کہ دوسرے نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا' مگر جیل میں سروائیول سب سے زیادہ اہم تھا۔ اور جب جلال الدین اس کا دوست بنا' تو اس نے فارس کو ایک نئی دنیا سے روشناس کروا لیا۔ گروہ بنا کر جتھے کی صورت کیسے رہنا ہے' جیل کے باقی بدمعاشوں سے کیسے مقابلہ کرنا ہے' اپنی دھاک کیسے بٹھانی ہے' بڑے بڑے گروہوں کی خوشنودی کیسے حاصل کرنی ہے' اسے جلال الدین سکھاتا تھا۔ وہ قراطین رہ چکا تھا' بہت سوں کو اچھے سے جانتا تھا' اور اپنی ڈھال کے لئے ایک تنومند' زورآور آدمی درکار تھا اسے۔ فارس اس کے لئے وہ ڈھال بن گیا اور وہ دونوں ایک ساتھ جیل میں ایڈجسٹ کرتے گئے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برابر کا برا کر چکے تھے' سو وقت کے ساتھ ساتھ کینہ بھی نکل گیا۔ عجیب سیاستیں تھیں جیل کی۔

وہ فارس کو کہتا تھا' اپنے غصے کو قابو میں رکھو۔ اپنی ذات کے لئے بند رہو۔ بھائی اور بیوی کے متعلق ہر بات خاموشی سے سن جاؤ اور پی جاؤ۔'

انسان کا ذہن تب کھلتا ہے جب وہ غصے کو مہار ڈالنا سیکھ لیتا ہے۔ مگر وہ آگے سے کہتا تھا کہ وہ انتقام ضرور لے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جلال الدین کو اس سے ہمدردی ہوتی گئی۔ وہ پولیس میں رہ چکا تھا' اے ایس پی سرمد شاہ سمیت بہت سے لوگوں کو جانتا تھا۔ وہ اسے کہتا' سارے میں یہی کہا جا رہا ہے کہ تمہارے ماموں زاد نے تمہیں پھنسوایا ہے۔ اور فارس اندر سے جانتا تھا' کہ اس کا دل گواہی دیتا تھا یہ ہاشم ہی ہے' مگر پھر جلال الدین نے اسے خاموش رہنا بھی سکھا دیا تھا۔ جب ایک دن سعدی اس سے پوچھنے آیا کہ وہ مشتبہ افراد کی فہرست دے جو زرتاشہ اور وارث کے قتل میں ملوث ہو سکتے ہیں تو اس نے ہاشم کا نام نہیں لیا۔ وہ ہاشم کا راز نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ اسے پہلے باہر نکلنا تھا' پھر جلال الدین کی توسط سے بنے دوستوں کو استعمال کر کے اپنا انتقام پورا کرنا تھا' پھر ساری دنیا جان ہی لے گی کہ اصل مجرم کون تھا۔ مگر ابھی نہیں۔

چار سال اس جیل میں گزارنے کے بعد وہ وہاں کا عادی ہو چکا تھا۔ جب نکلنے لگا تو محسوس ہوا' ایک زیادہ بڑی جیل میں جا رہا ہے اس روز جلال الدین نے اسے کہا تھا' کہ اب چونکہ وہ اس سے ہمدردی کرنے لگا ہے تو اس کو ایک نصیحت کرے گا اور وہ یہ کہ وہ انتقام چھوڑ دے اور اگر لینا ہی ہے تو اسے دو قبریں کھودنی پڑیں گی۔ فارس غازی کے پاس انتخاب کا وہ آخری موقع تھا۔ اس نے دو قبریں چن لیں۔

کار قبرستان کے قریب روک کر چند لمحے وہ خالی خالی نظروں سے دور نظر آتی قبروں کو دیکھتا رہا۔ یہیں آبدار کو دفن کیا گیا تھا۔ وہ ایک دفعہ بھی ادھر نہیں آ سکا تھا' کیونکہ دور اندر' وہ یہ جانتا تھا کہ ہاشم کے بعد اگر کوئی اس کی موت کا ذمہ دار تھا تو وہ خود تھا۔ زمران گزرے تین دنوں میں بار بار زمی سے اسے کہتی رہی تھی کہ وہ گلٹی محسوس نہ کرے' اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا' مگر وہ جانتا تھا' جس کارنامے سے وہ دور اندر ڈرتا آیا تھا' یہ اس کی پہلی قسط تھی۔

وہ باہر نہیں نکلا۔ شیشہ اوپر چڑھایا اور ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ چہرہ ابھی تک سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند ارکے خوگر کونا کام بھی دیکھو گے؟

آغاز سے واقف ہو، انجام بھی دیکھو گے؟

آج بھی عدالتی احاطے میں ویسا ہی رش تھا جیسا وہ پچھلے کئی ماہ سے دیکھتے آ رہے تھے۔ گرمی اور حبس میں اضافہ ہو گیا تھا۔ زمر سب سے تاخیر سے پہنچ رہی تھی اور اسکے اندازے کے مطابق باقی سب اس وقت کورٹ روم کے باہر پہنچ چکے تھے۔ وہ گھڑی دیکھتی راہداری میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سینے سے فائلز لگا رکھی تھیں۔ گھنگریالے بال آدھے باندھ رکھے تھے اور سن گلاسز ماتھے پہ ٹکی تھیں۔ چہرہ سنجیدہ مگر پرسکون نظر آتا تھا۔ ایک موڑ مڑی تو بے اختیار ٹھٹکی۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا اور اسی کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں آمنے سامنے رک گئے۔ زمر نے ساتھ موجود دونوں وکلاء کو آگے جانے کا اشارہ کیا اور خود گہری سانس لے کر فرصت سے شیرو کی طرف متوجہ ہوئی۔ "آپ کو اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مجھ سے بات...."

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زمر نے لب بھینچ لیے۔ پھر اثبات میں سر کو خم دیا۔ ذرا سا مسکرائی۔ "ٹھیک ہوں۔" مسکراتی بھوری آنکھوں کو اس کے چہرے پہ جمائے' وہ عادتاً گال سے ٹکراتی لٹ انگلی پہ لپیٹنے لگی تھی۔ "اور اس سب کا بھی تھینک یو جو آپ نے میرے لئے کیا۔"

"اچھا۔" وہ تلخی سے ہنس دیا۔ "مجھے لگا آپ لوگ ایکناج تک نہیں کریں گے۔"

"میں ایکناج کر رہی ہوں۔ اسی لئے کہہ رہی ہوں' تھینک یو۔"

"اور کیا کوئی میرے خلاف کیس واپس لینے کا سوچے گا بھی نہیں؟"

"نوشیرواں!" زمر نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔ "آپ نے میرے اوپر ایک احسان کیا ہے۔ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں آپ کے ساتھ ایک اچھے مشورے کی صورت بھلائی کرنا چاہوں گی۔ آج سے ہاشم کو اپنے گواہ پیش کرنے ہوں گے' مگر اس سے پہلے جج صاحب آپ کو کٹہرے میں بلائیں گے۔"

شیرو کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔ "مگر میں کہہ چکا ہوں کہ حلف لے کر اپنے خلاف گواہ نہیں بنوں گا۔"

"وہ اور چیز ہوتی ہے۔ یہ اور چیز ہے۔ اس میں حلف نہیں لیا اور سچ بولنے کی پابندی بھی نہیں ہے۔ جھوٹ بولیں گے تو بھی سزا نہیں ہو گی۔ چاہیں تو خاموش بھی رہیں۔ جج صاحب کو اختیار ہو گا کہ آپ سے چند سوالات پوچھیں اپنی کنفیوژن کلئیر کرنے کے لئے' اور آپ کے جوابات حتیٰ کہ آپ کی خاموشی سے بھی وہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ سچ بول دیں۔ یہ آپ کی اپنے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ہو گی۔"

"سچ بولا تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔" وہ دبا دبا سا غرایا تھا۔

"آپ کا دن اچھا گزرے!" وہ ساتھ سے نکل کر چلی گئی۔

کورٹ روم کے باہر ہاشم کھڑا موبائل پہ ٹیکسٹ کر رہا تھا۔ ساتھ چند دوسرے افراد کے ہمراہ حلیمہ بھی کھڑی تھی۔ دفعتاً حلیمہ ہاشم کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "میرے اوپر جرح مسز زمر کریں گی؟ کیونکہ پانچ روز پہلے جب اچانک پیشی ملتوی ہو گئی تھی اور اس دن میں گواہی نہیں دے سکی تھی تو آپ نے کہا تھا کہ مسز زمر اب مجھے کراس نہیں کر سکیں گی۔"

"اوہ سوری!" اس نے پیشانی چھوئی۔ "میں بتانا بھول گیا اس روز ہی تمہاری گواہی ہو جاتی لیکن زمر نے اپنے کسی گواہ کو پیش کرنے کے لئے مہلت مانگ لی تھی اور پھر... میرا خیال تھا وہ کسی لمبے سفر پہ جانے والی ہیں' مگر...." اس نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لئے آج وہی تمہارے اوپر جرح کریں گی۔" وہ ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ بات کرتے کرتے مڑا تو دیکھا' زمر سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ہاشم مسکرا کے آگے بڑھا۔ "مسز زمر... میں نے سنا تھا' کسی حادثے میں پھنس گئی تھیں۔ پھول بھجوائے تھے میں نے' ہا چلا۔ اب ٹھیک ہیں آپ؟"

وہ اس کا تر و تازہ چہرہ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی۔ "مارنے والے سے بچانے والا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔"

"گڈ!" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ "مگر مجھے مایوسی ہوئی کہ آپ نے پولیس میں رپورٹ تک نہیں کروائی۔ چچ۔"

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ "وہ کیا ہے نا ہاشم کہ پانچ سال سے رپورٹ رپورٹ کھیل کر اب تھک گئی ہوں۔ اس دفعہ جس عدالت میں رپورٹ کروائی ہے نا وہ زیادہ قابلِ بھروسہ ہے۔ آپ کا بھی دن اچھا گزرے۔" نرمی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

جواہرات آج کورٹ نہیں گئی تھی۔ وہ کاردار گروپ آف کمپنیز کے ہیڈ آفس میں اپنے مصاحبین کے ساتھ ادھر ادھر چکر کاٹتی نئے نئے احکام دے رہی تھی۔ گردن کا سریا واپس آ چکا تھا۔ لباس پہلے سے زیادہ شوخ رنگ کا ہو چکا تھا۔ لپ اسٹک زیادہ سرخ تھی۔ دو تین معمولی ملازموں کو جاب سے فارغ کیا' دو چار پہ کام کا زیادہ بوجھ ڈالا' کسی کو جھاڑا' کسی کو سراہا اور ہر ایک کو احساس دلا کر کہ وہ واپس آ چکی ہے' وہ اپنے آفس میں چلی آئی تھی۔ اور اب گھومنے والی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھی مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

کوئی ہنڈریزر منعقد کرے؟ کوئی گالا؟ تا کہ جب وہ دونوں بیٹوں کے ہمراہ شان سے کھڑی ہو تو سارے میں اس کی مجروح ہوئی دھاک پھر سے بیٹھ جائے۔ مگر گالا کا تھیم کیا ہو؟ لیکن اس سے پہلے ایک معمولی سی پلاسٹک سرجری کروالی جائے؟ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ حسین دکھنا چاہتی تھی۔

اس نے ٹیبلٹ اٹھایا اور اسے چہرے کے قریب لائے' سر کرسی کی پشت سے ٹکائے انگلی اس پہ پھیرنے لگی۔ چند ایک سرجریز کو کھوجا۔ پھر سوشل نیٹ ورکس دیکھنے لگی اور تب ہی ایک جھٹکے سے وہ سیدھی ہوئی۔ شیرنی جیسی بھوری آنکھیں پہلے حیرت سے اور پھر غضب سے پھیلیں۔ اسکرین پہ کسی دعوت کی تصویر میں صاحبزادی صاحبہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکے چہرے کا نیم رخ واضح تھا۔ ڈی ایس ایل آر کی تصویر جہاں اس کی جلد کے ہر مسام تک کو دکھا رہی تھی' وہاں کان میں موجود زمرد اور ہیرے جڑے ایئر رنگز بھی دکھا گئی تھی' جس پہ وہ اپنی دو انگلیاں پھیر رہی تھی اور.... جواہرات کی نظریں انگلی پہ پھسلیں.... ایک انگلی میں نیلاہٹ بھرے ہیرے والی خوبصورت سی انگوٹھی دمک رہی تھی۔ ایک زیور ہوتا تو وہ کاپی کہہ سکتی تھی' مگر یہ دو مختلف زیورات ایک ساتھ.... زرنگار کے یہ زیور تو اس کی ملکیت میں تھے.... مگر یہ صاحبزادی کے ہاتھ میں.... جواہرات کے ہاتھوں سے ٹیبلٹ میز پہ لڑھک گیا۔ وہ شل سی بیٹھی رہ گئی۔

دھر.... لب پھڑپھڑائے اور پھر شیرنی کی آنکھوں میں غصے بھری سرخی ابھری....

دھر نے اس کی سب سے قیمتی متاع اس کی دشمن کو دے دی تھی' مگر کیا اس نے صرف یہی متاع دی تھی؟ یا کچھ اور بھی؟ کوئی راز.... کوئی بھید....

وہ تیزی سے دھر کو فون ملانے لگی۔ مگر ریکارڈنگ نے خبردار کیا کہ مطلوبہ نمبر اب نہیں مل پائے گا۔ جواہرات نے فون رکھ دیا۔ اور کسی بت کی طرح وہیں بیٹھی رہ گئی۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بہت برداشت کر لیا اس نے دوسروں کو خود کو دباتے ہوئے۔ اب وہ نہیں دبے گی۔ دفاع نہیں' جارحیت۔ بہترین حکمت عملی۔ شیرنی کی آنکھیں آگ کی طرح لپٹوں سے بھری سوچ میں گم دکھائی دیتی تھیں۔

کمرہ عدالت میں واپس آؤ تو ہر شخص اپنی مخصوص نشست پہ براجمان تھا۔۔ سعدی پہلی کرسیوں پہ بیٹھا تھا اور گاہے بگاہے دور پیچھے بیٹھے گول چشمے والے آدمی کو دیکھتا تھا جو آج بھی خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا۔

جج صاحب کے سامنے ہاشم اور زمر قریب قریب کھڑے تھے اور وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔"مسز زمر نے آج بھی اپنا آخری گواہ پیش نہیں کیا نہ اس کی کوئی معلومات مہیا کی ہیں۔ کیا اب یہ عدالت کا وقت یونہی ضائع کرتی رہیں گی یا ہم آگے چلیں گے یور آنر!"

"یور آنر! مجھے آخری گواہ کو پیش کرنے کے لئے وقت درکار ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ایک نظر پیچھے بیٹھے سعدی پہ ڈالی جس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ وہ ابھی تک ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔

"آپ پہلے بھی کافی تاخیر کر چکی ہیں' بہر حال ہم کارروائی شروع کرتے ہیں' آپ ڈیفنس کے کلوزنگ آرگومنٹ تک گواہ پیش کر دیں گی تو میں قبول کر لوں گا' ورنہ یاد رکھیے گا مسز زمر!" جج صاحب نے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھتے ہوئے تنبیہ کی۔"اگر کاردار صاحب کے اختتامی دلائل تک آپ نے گواہ پیش نہ کیا تو عدالت یہی سمجھے گی کہ آپ تاخیری حربہ استعمال کر رہی ہیں۔"

"تھینک یو یور آنر۔ میں اس سے پہلے گواہ لے آؤں گی۔" اس نے تابعداری سے سر کو خم دیا۔

(زمر کے گواہ مکمل ہو چکے تھے' اب ہاشم کے گواہان کی باری تھی۔ اس کے بعد اختتامی دلائل تھے اور پھر جج نے فیصلہ سنانا تھا۔)

"مزید آگے چلنے سے پہلے' عدالت نوشیرواں کاردار سے حلف کے بغیر چند سوالات کرنا چاہے گی۔" جج صاحب نے مصروف سے انداز میں حکم دیا۔ ہاشم نے شیرو کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھا اور سپاٹ سے انداز میں کٹہرے میں آ کھڑا ہوا۔ زمر اب واپس جگہ پہ بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی غور سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"نوشیرواں' آپ 21 مئی کو کہاں تھے؟" جج صاحب رخ اس کی طرف موڑے نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

"سر میں دبئی میں تھا۔" وہ خشک سے انداز میں بولا۔ زمر سر جھٹک کر اپنے کاغذات پلٹ کرنے لگی۔

"کیا آپ نے سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں؟"

"نہیں یور آنر' یہ محض ایک بہتان ہے۔ میں تو اس وقت ملک میں بھی نہیں تھا۔ ہاں میرا سعدی سے جھگڑا ضرور ہوا تھا' اور کئی جھگڑے رہ چکے تھے' مگر گولی... نیور...." وہ اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ سعدی بس چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور سعدی کے اغوا میں آپ کا ہاتھ تھا؟"

"سعدی اغوا ہی نہیں ہوا' یور آنر۔ مجھے یونیورسٹی کے پرانے دوستوں نے بتایا تھا کہ وہ شوال میں رہتا رہا ہے اتنا عرصہ' وہاں وہ دہشت گردوں کی تنظیم ...." وہ رٹے رٹائے انداز میں بولتا رہا۔ جب وہ کٹہرے سے اترا تو بس ایک ملامتی نظر زمر پہ ڈالی اور واپس آ کر بیٹھ گیا۔

اب وہ اپنے فیصلے خود لے گا' اس نے ثابت کر دیا تھا۔

"تو آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ اکیس مئی کو سعدی یوسف آفس بلڈنگ میں نہیں آیا تھا؟" ہاشم کٹہرے میں کھڑی حلیمہ سے جس وقت پوچھ رہا

تھا اسی وقت پچھلی نشستوں پہ فارس غازی آ کر بیٹھا۔ اس نے شرٹ کی آستینیں چڑھا رکھی تھیں اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

"جی نہیں' وہ نہیں آیا تھا۔" حلیمہ اعتماد سے بولی۔

"اور اس سے پہلے متعدد بار آپ کے نمبر سے سعدی کو کال کی گئی تھی۔ وہ کس سلسلے میں تھی؟" ہاشم پوچھ رہا تھا۔

"سونیا کی پارٹی میں سعدی سے میری ملاقات ہوئی تھی' وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی ملاقات اپنے ایک انکل سے کرواؤں جو ملٹری انٹیلی جنس میں کام کرتے ہیں اور آج کل شوال میں تعینات ہیں۔"

"تو آپ وہ کالز مجھ سے اپائنٹمنٹ لینے کے لئے نہیں کر رہی تھیں جیسا کہ سعدی نے کہا ہے بلکہ معاملہ شوال کا تھا؟" (شوال ایک علاقہ ہے جو ضرب عضب کے باوجود آج بھی دہشت گردوں کی جنت ہے اور میڈیا رپورٹس کے برعکس وہاں طالبان کا مکمل کنٹرول ہے۔)

"جی۔ انکل سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا' اور جب ہوا تو انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہی بتانے کے لئے سعدی کو کال کی تھی' اس نے الٹا مجھے بھی اپنے کیس کا حصہ بنا دیا۔" وہ ناخوش مگر پورے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ ہاشم نے مڑ کر ایک مسکراتی نظر سعدی پہ ڈالی اور پھر "یور ڈیننس" کہتا ہوا واپس اپنی جگہ پہ آ گیا۔ زمر نشست سے اٹھی تو پیچھے بیٹھے فارس نے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پہ فکرمندی نظر آتی تھی۔ (زمر جرح کیسے کرے گی' اور کیا اس ذہنی حالت میں وہ حلیمہ پہ کردار کش' نابڑ توڑ حملے ٹھیک سے کر پائے گی' کہیں وہ غصے میں ٹمپر لوز کر کے سب خراب نہ کر دے!)

زمر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' ہاتھ میں چند کاغذ پکڑے' کٹہرے کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی۔ حلیمہ نے پورے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھا' گویا وہ تیار تھی۔ صبح ہاشم نے اس کی مٹھی میں چند کافی beans ڈالے تھے' اور پھر اسے مٹھی بند کرنے کو کہا۔ "یہ تمہارا سرمایہ ہیں۔ جرح میں وکیل تمہاری مٹھی خالی کروانے کی کوشش کرے گا' مگر تم نے کوشش کرنی ہے کہ کم سے کم دانے گریں' اور زیادہ سے زیادہ تمہارے پاس محفوظ رہیں۔" اور اس مثال سے وہ سمجھ گئی تھی۔

"تھینک یو حلیمہ' عدالت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔ چمکدار بھوری آنکھیں حلیمہ پہ جمی تھیں۔ "مگر مجھے آپ سے ایک گلہ بھی ہے۔"

حلیمہ اس نرمی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ قدرے تذبذب سے بولی۔ "جی؟"

"یہ سچ ہے نا کہ میں نے آپ کو متعدد بار کالز کیں اور ملنے کی کوشش کی' تا کہ آپ سے آپ کی طرف کی کہانی سن سکوں' کیونکہ ابھی تک تو مجھے صرف سعدی یوسف کی طرف کی کہانی معلوم ہے' مگر آپ مجھ سے نہیں ملیں۔"

"یہ میرا قانونی حق ہے' میم!" وہ گردن کڑا کے بولی۔

"آف کورس یہ آپ کا حق ہے۔ ارے نہیں آپ غلط سمجھیں۔ آپ کا حق سلب کرنے کی بات نہیں کر رہی میں۔ بلکہ" وہ یاد کر کے ہلکا سا ہنسی۔ "ایک کیس میں' میں خود جب گواہ پیش ہوئی تھی' فارس غازی کے خلاف' تو میں نے بھی مخالف وکیل سے بات کرنے سے یا ملنے

سے انکار کردیا تھا۔میں آپ کی پوزیشن سمجھ سکتی ہوں' اور مجھے بھی اچھا نہیں لگتا کہ ہم کسی لڑکی کو اس کٹہرے میں لا کر کھڑا کریں۔اس لئے میں چاہوں گی کہ آپ بالکل کمفرٹیبل ہوجائیں' بس آپ کو میرے چند سوالات کے جواب دینے ہیں' اور پھر آپ جاسکیں گی۔"

حلیمہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔زمر کے پیچھے ہاشم کو دیکھنے کی کوشش کی مگر زمر نے جیسے ہی اس کی نگاہوں کا رخ دیکھا' وہ ذرا دائیں طرف سرکی۔راستہ بلاک ہوگیا۔حلیمہ اب ہاشم کو دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

" مگر یہ تو سچ ہے نا کہ میں پہلی دفعہ آپ سے اس کیس کے بارے میں بات کرنے جا رہی ہوں"

"جی!"

" مگر ہاشم کاردار سے کئی گھنٹے تک آپ نے گواہی ڈسکس کر کے تیاری کی ہوگی تو آپ برا تو نہیں مانیں گی اگر میرے سوالات لمبے ہو جائیں کیونکہ مجھے پہلے وقت نہیں دیا آپ نے تو وہ کمی بھی تو پوری کرنی ہے نا۔"وہ نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔حلیمہ نے تھوک نگلی۔پھر ذرا دائیں طرف ہوئی مگر زمر اس کے ساتھ اسی طرف سرک گئی۔راستہ ابھی تک بلاک تھا۔"جی شیور!وہ مجبوراً بولی۔

" آپ آبجیکٹ کریں۔" نوشیرواں نے بے چینی سے ہاشم کو مخاطب کیا' جو خود بھی قدرے اچنبھے کا شکار لگتا تھا مگر جواب میں شیرو کو کاٹ کھانے کو دوڑا۔

" کس بات پہ؟ کہ وہ شائستگی سے کیوں بات کر رہی ہے؟"

"اوکے تھینک یو حلیمہ۔بس میں آپ کے چند منٹ لوں گی۔"وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔

"میں نے سنا ہے آپ بہت قابل سیکرٹری ہیں' اور بہت جانفشانی سے اپنا کام کرتی ہیں!"زمر توصیفی انداز میں شروع ہوئی۔

"جی۔"وہ دھیرے سے بولی۔

"اور آپ کبھی بھی چھٹی نہیں کرتیں' بیماری کی حالت میں بھی آفس جاتی ہیں۔"

"جی۔"وہ کردار پہ حملوں کی تیاری کر کے آئی تھی اور یہاں اس کی تعریف ہو رہی تھی؟

" گڈ۔تو اکیس مئی کو آپ آفس میں ہی تھیں؟"

"جی میں سارا دن ڈیسک پہ تھی۔"

"اور اکیس مئی کو نیچے لابی میں کتنے لوگ سارے دن میں آئے تھے؟"

"میں لابی میں آنے جانے والوں سے ناواقف ہوں' میں صرف ان کا بتا سکتی ہوں جو میرے سامنے لفٹ سے اتر کر ہاشم کاردار کے آفس میں جاتے ہیں۔"

"یعنی کہ آپ بلڈنگ میں داخل ہونے والے ہر شخص کا حساب نہیں رکھتیں' صرف انہی کا حساب رکھتی ہیں جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں۔"

"جی۔"

"جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں' رائٹ؟" اس نے زور دیا۔ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

"جی۔"

"اور سعدی کو آپ نے نہیں دیکھا تھا؟"

"نہیں۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے پتہ ہوتا۔"

"کیسے پتہ ہوتا؟"

"کیونکہ لفٹ میرے سامنے ہے' اور مجھے کراس کر کے ہی کوئی کاردار صاحب کے آفس میں جا سکتا ہے۔"

"وہ تو اسٹاف لفٹ ہے نا۔" زمر نے چند کاغذات اس کے سامنے رکھے جن پہ آفس فوٹوز پرنٹ کی گئی تھیں۔ "ایک پرائیوٹ لفٹ بھی تو ہال کے کونے میں ہے' اور اس سے کاردار صاحب کے خاص مہمان اترتے ہیں' اس کے ایک طرف گلاس وال لگی ہے جو معمولی سی دھندلی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی وہاں سے اترے تو آپ کو کراس کیے بغیر ہی سیدھا کاردار صاحب کے آفس میں چلا جائے؟"

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ہاشم کو دیکھنے کی راہ ہنوز بلاک تھی۔ "وہ گلاس بہت معمولی سا دھندلا ہے اور کسی انسان کے کندھوں تک آتا ہے۔ کوئی وہاں سے گزرتا تو اس کا سر نظر آ ہی جاتا ہے۔ چند فٹ دور ہی تو میرا ڈیسک ہے۔"

"اور آپ کی آنکھیں کیسی ہیں؟"

"سوری!"

"کیا یہ سچ نہیں ہے' مس حلیمہ کہ بیس اپریل کو آپ کی آنکھوں کی Lasek سرجری ہوئی تھی' پی آر کے' مگر آپ نے صرف دو دن کا آف لیا تھا اور تیسرے دن آپ جاب پہ واپس آ گئی تھیں۔"

"جی۔ یہ درست ہے۔"

"اور آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا تھا کہ 'پی آر کے' کے بعد آنکھ کھلتی ہی دو دن بعد ہیں اور بصارت دھندلی ہوتی ہے۔ کم از کم چار سے پانچ ماہ لگتے ہیں دونوں آنکھوں کی نظر شارپ ہونے میں۔ آپ کا نمبر منفی چار اعشاریہ پانچ تھا' جو کافی کمزور ہے۔ آپ کی نظر واپس آنے میں کم از کم بھی دو ماہ لگنے تھے۔"

حلیمہ نے بے چینی سے اس کے پیچھے دیکھنا چاہا مگر بے سود۔ ہاشم نے کوفت سے پہلو بدلا۔ وہ اعتراض کرتا تو وہ مزید کنفیوز ہو جاتی۔

"میری نظر بالکل ٹھیک تھی۔"

"مگر کیا ان دنوں آپ اسٹیرائڈ ڈراپس آنکھوں میں نہیں ڈال رہی تھیں؟"

"جی مگر......"

"اور آپ نے ۵ جون کو اپنے ڈاکٹر کو پوسٹ آپ چیک اپ میں کہا تھا کہ اس ہفتے جب سے آپ نے اسٹیرائڈ چھوڑے ہیں آپ کی نظر

بحال ہونے لگی ہے۔ یعنی ایکسں مئی تو اس سے پہلے آیا تھا۔ ایکس مئی تک تو آپ ڈاکٹر کے حروف تہجی بورڈ کی آخری چار سطور نہیں پڑھ سکتی تھیں۔"

"میری نظر ذرا سی کمزور تھی، مگر میں سارا کام احسن طریقے سے....."

" آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ بیماری میں بھی آجاتی تھیں آفس، تو ان دنوں آپ کو دو میٹر سے آگے نظر نہیں آ رہا تھا، مگر آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا اور کام کرتی رہیں۔"

" مگر میں....." وہ مضطرب ہو کر بولنا چاہ رہی تھی مگر.....

"اور یہ عین ممکن ہے کہ تقریباً بارہ میٹر دور موجود پرائیویٹ لفٹ سے سعدی جب اترا ہو، تو آپ نے فاصلے کے باعث اسے پہچانا نہ ہو۔"

" مگر وہ پرائیویٹ لفٹ سے نہیں اترا تھا۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"یعنی وہ اسٹاف لفٹ سے اترا تھا؟" وہ تیزی سے بولی۔

ہاشم نے آنکھیں میچ لیں۔ (اُف)

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ "وہ کسی بھی لفٹ سے نہیں اترا تھا۔"

" مگر یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے اسے نہ دیکھا ہو، کیونکہ آپ آنکھوں میں ان دنوں steroids ڈالتی تھیں اور پرائیویٹ لفٹ سے آنے والے کو نہیں دیکھ سکتی تھیں یوں وہ آپ کو بائی پاس کر کے ہاشم کے آفس میں جا سکتا تھا۔ آپ جھوٹ نہیں بول رہیں۔ آپ میں دراصل دیکھنے کی اہلیت ہی نہیں تھی۔ تھینک یو، مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔" اب کی بار ایک دم تیزی اور درشتی سے کہہ کر زمر واپس ہولی۔ حلیمہ نے بے بسی سے ہاشم کو دیکھا جواب نظر آیا تھا اور اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔ وہ ری ایگزامن کے لئے بھی نہیں اٹھا۔ مزید کوئی گل افشانی نہ کر دے وہ اور گواہ کو جانے دیا۔

"زمر!" وہ واپس بیٹھی تو سعدی نے آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کے قریب ہوئی۔

"فارس ماموں کی رہائی سے پہلے، جب میں نے ایک ہوٹل میں حلیمہ کے ہاتھ میں موجود ہاشم کے لیپ ٹاپ کو یو ایس بی لگا کر ہیک کرنے کی کوشش کی تھی، تو وہ مجھے نوٹس نہیں کر پائی تھی۔ یقیناً اس لیے کہ اس کی نظر خراب تھی۔"

"ہاں۔"

" مگر زمر، میں تو ریگولر اسٹاف لفٹ سے اترا تھا۔" اس نے جلدی سے تصحیح کی۔

"سعدی یوسف خان۔ کورٹ روم میں جھوٹ کو سچ سے نہیں ہرایا جاتا۔ جھوٹ کو اس سے بڑے جھوٹ سے ہرایا جاتا ہے۔" مسکرا کر کہتے وہ واپس سیدھی ہو گئی۔

جب وہ باہر نکلی تو راہداری میں اپنے باس کے ساتھ چلتی حلیمہ اسے صفائیاں دے رہی تھی اور وہ غصے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرا کے آگے

بڑھ گئی۔ تب احساس ہوا کہ کوئی اس کے ساتھ آ کر چلنے لگا ہے۔ وہ رکی نہیں مڑی نہیں' قدم اٹھاتی رہی۔

"بڑے عرصے بعد کنٹرولڈ' شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی لگی ہیں آپ۔" مسکراہٹ دبائے وہ بولا تھا۔ زمر نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔

"میں تو وکالت کر رہی تھی۔"

"اور یقیناً اس کے ڈاکٹر کی فیس وغیرہ کا آپ کو ہاشم کے کمپیوٹر سے چوری کی گئی فائلز سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"وکیل اپنا سورس نہیں بتاتے' اور دو نمبر لوگوں کو تو بالکل بھی نہیں۔" وہ دو قدم آگے بڑھ گئی' مگر وہ رکا رہا۔ پھر مسکرا کے بولا۔ "میں متاثر ہوا ہوں۔" زمر کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ گھومی تو آنکھوں میں حیرت تھی۔

"مجھ سے؟"

"ہوں۔ تم سے۔ کیونکہ اچھا وکیل وہ ہوتا ہے جو وہاں سے آئے جہاں سے تصور بھی نہیں کیا ہو۔ ہم سب سمجھ رہے تھے تم اس کے کردار اور قابلیت پہ حملہ کر کے اس کو جھوٹا کہو گی' مگر تم نے یہ ثابت کیا کہ وہ سچ بول رہی ہے' بس بے چاری کو نظر ہی نہیں آیا تھا۔" مسکرا کے بولتے ہوئے وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ "مجھے کافی اچھا لگا یہ سب دیکھ کر۔ مگر ڈر بھی لگا۔ سوچ رہا ہوں آئندہ معلوم نہیں باتوں میں تم سے جیت بھی سکوں گا یا نہیں۔"

"استغفر اللہ!" وہ خفگی سے کہتی سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی اور وہ اداس مسکراہٹ سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے

ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا

رات شہر پہ اتری تو بلند و بالا عمارتوں کی ساری روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ ایسی ہی ایک روشن پرشکوہ عمارت ایک سکس اسٹار ہوٹل کی تھی جس کے اندر جاؤ تو لابی میں رنگوں' روشنیوں اور خوشبوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ ہنستے ہوئے بے فکر خوبصورت لوگ.... اور ان سب کے درمیان سے گزرتی صاحبزادی صاحبہ' جس کے کانوں کے نگینے جگمگا رہے تھے' اور انگلیوں کی انگوٹھیاں نگاہیں خیرہ کر دیتی تھیں۔ اس کے پیچھے دو باڈی گارڈز چل رہے تھے' اور وہ تینوں لفٹ کی سمت جا رہے تھے۔ صاحبزادی صاحبہ کی مسکراہٹ ویسی ہی چہرے پہ جمی رہی جب وہ بالائی منزل پہ ایک راہداری سے گزر کے ایک سوئیٹ کے باہر آ ٹھہری۔ گارڈز نے دروازہ کھٹکھٹایا' تو اگلے ہی لمحے وہ کھل گیا۔ کھولنے والی خود جواہرات تھی۔ سرخ لباس میں ملبوس' سرخ لپ اسٹک لگائے' بالوں کو کرل کر کے چہرے کے ایک طرف ڈال رکھا تھا' اور مسکرا رہی تھی۔

"آپ کو میرے لئے دروازہ خود کھولنا پڑا؟" صاحبزادی صاحبہ طنز سے مسکرائی۔

"چونکہ آپ نے کسی حساس موضوع پہ ملنے کے لئے کہا تھا تو میں نے اپنے اسٹاف کو بھیج دیا۔ آیئے نا۔" خوش دلی سے کہتے ہوئے اس نے راستہ چھوڑا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں شاہانہ طرز کی کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں اور درمیان میں میز تھی جس پہ پھول رکھے تھے۔ (گارڈز باہر تھے۔)

''آپ کے زیورات بہت خوبصورت ہیں۔'' جواہرات مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے آپ کی طرح لمبی لمبی اداکاریاں نہیں آتیں جواہرات بیگم۔'' وہ اب کے بولی تو مسکراہٹ سمٹ گئی تھی اور آنکھوں میں تپش در آئی تھی۔ ''یہ مجھے احمر شفیع نے دیے ہیں۔ آپ کی ملکیت تھے یہ۔ اور اب میری ملکیت ہیں۔''

''احمر!'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ پھر کہنی کرسی کے ہتھ پہ رکھے ایک انگلی گال تلے رکھے وہ دلچسپی سے صاحبزادی کو دیکھنے لگی۔ ''اور کیا دیا ہے احمر نے آپ کو۔''

''مجھے تو آپ پہ ترس آ رہا ہے۔'' وہ واقعی ترحم سے بولی تھی۔ ''بہت دنوں بعد آپ آفس اور سوشل گیدرنگز میں نظر آئی تھیں اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ' مگر کون جانتا تھا کہ یہ تخت و تاج محض چند دن کا محتاج ہے۔ بس چند الفاظ اس کو لٹنے کے لئے کافی ہیں۔''

''اچھا اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میرا تخت الٹنے والا ہے؟''

''کیونکہ آپ کے تخت کو اٹھانے والے آپ کے دو بیٹے ہیں اور جس دن وہ آپ کی حقیقت جان گئے' آپ تباہ ہو جائیں گی۔''

''اور کیا ہے میری حقیقت؟''

''مسز کاردار!'' وہ ذرا سا مسکرائی۔ ''کہا تھا نا میں نے آپ کو۔ جیسے آپ نے میری زندگی برباد کی ہے' میں بھی کروں گی۔ کہا تھا نا' میں انتقام ضرور لوں گی۔ آپ سوچیں' اس وقت آپ پہ کیا گزرے گی جب ہاشم جان لے گا کہ آپ نے... اس کے باپ کا... قتل کیا ہے۔''

جواہرات مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے انگلی پہ گھنگریالی لٹ لپیٹتی رہی۔

''اور یہ بتانے کے احمر نے کتنے پیسے لئے ہیں آپ سے؟'' کوئی حیرت کوئی شاک نہیں۔

''آپ خود کو جتنا بھی کمپوزڈ ظاہر کر لیں' آپ کا چہرہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اور تغزیب کاردار کی قاتل ہیں۔''

''اور یہ بھی اس نے کہا ہو گا کہ میرے پاس ثبوت نہیں ہے مگر مسز کاردار کا چہرہ اس گواہی کے لئے کافی ہے۔'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ صاحبزادی صاحبہ کے اعصاب تن گئے۔ اس کو یہ امید نہیں تھی۔ قدرے بے چینی سے بولی۔ ''سعدی یوسف سب جانتا ہے کہ کس طرح تم نے اپنے شوہر کو مارا' اور میری انجیو بھی گواہ ہے۔''

''اوہ ڈارلنگ' تم بھی کن لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنے قد سے بڑی باتیں کرنے آ گئیں۔'' جواہرات نے افسوس سے گہری سانس بھری۔ صاحبزادی صاحبہ کو اب غصہ چڑھنے لگا۔

''جس دن میں نے ہاشم کو بتا دیا نا' وہ تمہاری جان لے لے گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ تمہارے ڈرائیور کو' جو صبح چھٹی لے کر گیا ہے' کل شام میں نے خرید لیا تھا اور اس نے مجھے سب بتا دیا کہ کس طرح سعدی اور احمر نے اپنی جان بچانے کے لئے تمہارے ساتھ یہ جھوٹ بولا' اور تم بی بی۔ تم چلی آئیں میرا تخت گرانے۔''

یہ کہتے ہوئے جواہرات اٹھی اور ساتھ والے کمرے کا نیم وا دروازہ کھول دیا۔ صاحبزادی صاحبہ نے چونک کر گردن موڑی' اور اگلے لمحے وہ سانس تک لینا بھول گئی۔

وہاں سے وہ دونوں اندر داخل ہوئے تھے۔ ہاشم اور نوشیرواں۔ سوٹ میں ملبوس چبھتی ہوئی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔ وہ اپنی ماں کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے تھے اور جواہرات مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

''میں جانتی تھی تم مجھے بلیک میل کرنے آؤ گی' اس لئے میں نے اپنے بیٹوں کو بھی بلا لیا۔ اور دیکھو وہ میرے ساتھ کھڑے ہیں' ان کو مجھ پہ پورا اعتماد ہے۔''

صاحبزادی فق چہرہ لئے کھڑی ہوئی۔ تھوک نگلا۔ باری باری ان دونوں کے سپاٹ چہرے دیکھے۔ ''تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو مارا ہے۔'' وہ دبا دبا سا چلائی۔

''اچھا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ اور سعدی کا نام مت لینا' آپ کے ڈرائیور سے سن چکا ہوں۔ سعدی تو کل تک خاور کو میرے باپ کا قاتل کہتا تھا۔'' ہاشم تلخی سے گویا ہوا۔ وہ نارمل نظر آ رہا تھا۔

''تمہاری ملازمہ گواہ ہے' اس نے تمہارے باپ کے باتھ روم سے جواہرات کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔''

''جسٹ گیٹ آؤٹ!'' ہاشم نے بےزاری سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں ... میں ساری دنیا کو بتاؤں گی کہ تم کیسی عورت ہو۔ اپنے بیٹوں کو دھوکا دے رہی ہو۔ پوسٹ مارٹم والے ڈاکٹر کو بھی تم نے سری لنکا سے اُدھر کے ذریعے کال کروائی تھی اور جب اس کے پاس گئی تو اس کو اتنا ڈرایا کہ اس نے خاور کا نام ....'' (شیرو نے بہت آہستہ سے سر اٹھایا۔)

''نکل جاؤ یہاں سے۔'' جواہرات حلق کے بل چلائی تھی۔ وہ سہم کر خاموش ہوئی۔ جواہرات قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی اور سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورا۔

''سعدی کو کہنا ہمارا فیملی یونٹ وہ کبھی نہیں توڑ سکتا۔ رزق اور راج صرف کوشش سے نہیں ملتا۔ یہ ادھر (پیشانی پہ انگلی رکھی) ادھر لکھا ہوتا ہے۔ میرا بخت ادھر لکھا ہے۔ رہے یہ زیورات تو تم یہ رکھ سکتی ہو۔ یہ cursed ہیں۔ جلد ہی تمہیں دلدل میں دھکیل دیں گے اور تم مجھ سے بڑی ڈائن بن جاؤ گی۔ اب دفعہ ہو جاؤ۔'' اور صاحبزادی کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ باری باری سب کو دیکھا اور پھر تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔

جواہرات اب کے مڑی تو آنکھوں میں آنسو تھے۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں نے صبح میری ساری بات سن کر میرا ساتھ دیا اور سعدی یوسف کے پلان کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ مجھے تم دونوں پہ فخر ہے۔''

ہاشم نے کندھے اچکائے اور صوفے پہ بیٹھ گیا۔ وہ بےزار لگ رہا تھا۔ نوشیرواں البتہ ابھی تک بت بنا کھڑا تھا۔ ہاشم اسی بےزاری سے

کہنے لگا۔"سعدی بار بار ڈیڈی کی موت کو بیچ میں کیوں لے آتا ہے؟ اب تو مجھے بھی شک ہونے لگا ہے کہ خاور اصل قاتل ہے بھی یا نہیں۔"

جواہرات کا دل بری طرح کانپا۔ وہ بہت بڑا جوا کھیل گئی تھی مگر اس کے سوا اور چارہ نہ تھا۔ "آف کورس خاور قاتل ہے ہاشم۔ اب میں یا تم تو قاتل ہو نہیں سکتے۔ کہیں تم بھی اس کی باتوں میں تو نہیں آ گئے؟"

"او ہو نہیں ممی۔ میں تو بس سوچ رہا ہوں کہ وہ اب اس بات کو ہر جگہ استعمال نہ کرنا شروع کر دیں اور....."

"احمر کو کیسے پتہ ڈاکٹر کے گھر والی بات؟" نوشیرواں کسی خواب کی سی کیفیت میں بولا تھا۔ وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔

"پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر کے گھر ریمس 'میں' آپ اور بھائی گئے تھے۔ احمر تو تب ہمارا ملازم بھی نہیں تھا۔ تو اسے کیسے پتہ چلا کہ آپ نے ڈاکٹر کو ڈرانے والی باتیں کی تھیں؟" شیرو عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھڑک گئی۔

"کیونکہ احمر کے ذریعے خاور کا پتہ صاف کیا تھا ہم نے' شاید میں نے ہی بتایا ہو۔ اب کیا تم مجھے ایسے دیکھو گے؟"

"اور اس نے میری کا نام کیوں لیا؟ آپ میری کو ڈی پورٹ کرنا چاہتی تھیں' آپ میری سے ڈیڈ کی موت کے بعد سے خوش نہیں تھیں۔"

"نوشیرواں ممی پہ شک مت کرو۔" ہاشم اکتا کر کھڑا ہوا۔ "ان کی باتوں کو اپنے ذہن پہ سوار مت کرو' چلو ڈنر کرتے ہیں۔" اس نے اس کا شانہ تھپتھپایا تو شیرو نے سر جھٹکا۔ جیسے بہت سے خیالات بھی جھٹکے۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ الجھے نظر آتے تھے اور جواہرات بظاہر پرسکون سی' اندر عجیب طوفانوں میں گھری تھی۔ صاحبزادی کے بتانے سے بہتر تھا وہ خود ان کو بتا دے' یہ حکمت عملی اس کا آخری آپشن تھا۔ آخری جوا۔ اور اس کا نتیجہ اتنا حوصلہ افزا نہیں تھا جتنا وہ چاہتی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اسے اور کیا چاہیے تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امید کے صحرا میں جو برسوں سے کھڑا ہے
حالات کی بے رحم ہواؤں سے لڑا ہے

مور چال پہ وہ حبس زدہ رات مغموم سی پھیلی تھی۔ لاؤنج کی دیوار کو نئے سرے سے صاف پینٹ کر کے حنین فارغ ہو چکی تھی۔ وہ نقش و نگار چھپ گئے تھے اور اب وہ چند روز میں اس پہ stencil پینٹ کر سکتی تھی۔ شکر۔ وہ گلوز اتارتی' برش اور ڈبے اٹھاتی' سیڑھیاں چڑھنے لگی تا کہ اپنے کمرے میں جا کر اس سامان کو ٹھکانے لگائے' مگر سعدی کے کمرے کی جلتی بتی دیکھ کر ادھر چلی آئی۔

وہ اسٹڈی چیئر پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور پرسوچ نظریں چھت پہ ٹکی تھیں۔

"پریشان نہ ہو بھائی ہم پھر سے ڈاکٹر بابا کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔" اس کے نرمی سے پکارنے پہ وہ چونکا' پھر اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ "پتہ ہے حنین صرف ایک بات مجھے تسلی دیتی ہے کہ ہمارے جج صاحب ایماندار آدمی ہیں۔"

"اور مجھے صرف ایک بات خوف دلاتی ہے کہ بڑے فیصلے کرنے کے لئے صرف ایماندار ہونا کافی نہیں ہوتا۔" وہ سوچ کر رہ گئی' مگر بولی تو صرف اتنا۔ "چاہے ہم جنگ جیتیں یا ہاریں' حق کے لئے لڑنا ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"

پھر وہ چلی گئی اور وہ وہیں بیٹھا سوچتا رہا۔ مایوسی، اداسی اور امید کے درمیان وہ کہیں ہوا میں معلق تھا۔ کسی کچے دھاگے سے لٹکا، کسی پکی زنجیر سے بندھا۔ پھر وہ اٹھا اور وضو کر کے آیا، تولیے سے ہاتھ منہ خشک کیے، اور اسٹڈی ٹیبل پہ قرآن لیے واپس آبیٹھا۔ ایک یہی کلام اللہ تو تھا جو ہر اندھیرے میں تسلی دیتا تھا، کہ خیر ہے، جہاں اتنا چل لیا وہاں کچھ اور چلتے جاؤ، روشنی مل جائے گی۔ تمہارے حصے کی روشنی تمہیں ضرور ملے گی۔ بس تھوڑا صبر اور۔ بس تھوڑا فاصلہ اور۔

''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمن اور رحیم ہے۔'' اس نے مطلوبہ آیت سے اپنی محبوب سورۃ کھولی۔

''اور بے شک تیرا رب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (جو ان کے سینے چھپاتے ہیں) اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔
اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ بات نہیں جو روشن کتاب میں نہ ہو۔'' (سورۃ النمل: 75-74)

''یہ آیت، اللہ تعالیٰ، آپ نے قرآن میں کتنی دفعہ دہرائی ہے؟ ان گنت۔ اور اس کے ان گنت رموز ہر دفعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا یہاں کہ تم چھپاتے ہو، یہ فرمایا ''جو ان کے سینے چھپاتے ہیں۔'' یہاں جو گلٹی پارٹی ہے، وہ انسان نہیں ہے۔ وہ اس کا سینہ ہے۔ دل بھی سینے کے اندر ہوتا ہے۔ اور ہم خود کیوں نہیں؟ اگر غور کرو تو آیت کے شروع میں فرمایا ''آپ کا رب'' یہ صرف رب بھی کہا جا سکتا تھا مگر ''آپ کا رب'' کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ جس کے دل کی بات ہو رہی ہے، وہ تو اللہ کا بندہ ہے۔ میں اور آپ، ہم اللہ کے ہیں، اسی لیے شاید اللہ تعالیٰ ہمیں رعایت دے دیتے ہیں۔ صرف نظر کر جاتے ہیں ہماری غلطیوں سے... مگر یہ ہمارے دل ہیں جو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ کبھی compulsive liars کو دیکھا ہے؟ وہ بات بے بات بغیر سوچے سمجھے جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا دماغ ابھی سامنے والے کا سوال سمجھا ہی نہیں ہوتا کہ زبان جھوٹ بول دیتی ہے۔ تو یہ دل کیسے انسان کو بے بس اور مجبور کر دیتا ہے؟ جب ہم اس میں غلط خزانے بھرتے جائیں اور اس کو کسی شے کا عادی کر دیں۔ ہم غلط کام اس میں چھپاتے ہیں تو یہ عادی ہو جاتا ہے، پھر خود سے، ہم سے پوچھے بغیر اپنے اندر غلط چیزیں، غلط خیالات، غلط ارادے، غلط محبتیں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ پھر یہ قابو میں نہیں رہتا۔ اور اس کا حل کیا ہے؟ حل وہی ہے کہ جب کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے تو اللہ ایسے دل میں کیوں اپنی محبت ڈالے گا جس میں جھوٹ، دھوکے، غلط راز اور غلط لوگ بسے ہوئے ہوں؟'' وہ اپنی نوٹ بک پہ لکھتا بھی جا رہا تھا۔ ذہن کی آلودگی دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی۔ ایک یہی کتاب تو ساری کثافت دور کر دیتی تھی۔

''بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور بے شک وہ ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ بے شک تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا اور وہ غالب علم والا ہے۔'' (سورۃ النمل: 78-76)

''مجھے آج اس آیت کو پڑھ کر یہ لگ رہا ہے اللہ تعالیٰ، کہ قرآن ہر ایک کے لیے مختلف کردار ادا کرتا ہے۔ کچھ لوگ جو اس کو بھلا بیٹھے ہوتے ہیں، ان کی عبرت کی مثالیں بیان کو سناتا ہے جو اس کو بار بار پڑھتے ہیں۔ ہمارے آپس کے سارے جھگڑوں اور اختلافات کا حل اس میں

موجود ہے اور جن کا نہیں ہے ان کا فیصلہ آپ قیامت کے روز کر دیں گے اللہ تعالیٰ مگر مجھے اپنی امت کی فرقہ واریت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ اختلافات کے نام پہ ہمارے ہاں اتنی تقسیم ہے کہ حد نہیں۔ ہم اختلاف کرنے والوں کو ڈانٹ کیوں دیتے ہیں؟ کسی کی جنت یا جہنم کی کوئی گارنٹی نہیں ہے سوائے انبیاء کرام اور عشرہ مبشرہ صحابیوں یا بدر کے مجاہدوں کی۔ کسی امام کسی پیر کسی اسکالر کسی لیڈر کسی کی جنت کی گارنٹی نہیں ہے۔ تو پھر ہم اپنی جنت پکی کر کے دوسرے کی جہنم کا ٹکٹ کیوں ہاتھ میں لیے گھومتے ہیں؟"

"سو اللہ پر بھروسہ کر بے شک تو صریح حق پر ہے۔ البتہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر لوٹیں اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی دور کر کے ہدایت کر سکتا ہے تو ان ہی کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔"
(سورۃ النمل: 79-91)

"لیکن پھر یہ ساری باتیں ہر ایک پہ اثر کیوں نہیں کرتیں؟ کیوں بہت سے لوگ اندھے گونگے بہرے بن کر کفر کے فتوے دوسروں پہ تھوپے چلے جاتے ہیں؟ انسانوں کی پیروی میں اندھے ہو جاتے ہیں؟ کیونکہ شاید قرآن سے ہدایت اور رحمت ایمان والوں کو ملتی ہے اور ایمان ہوتا کیا ہے بھلا؟ خوف اور غم سے نجات پا لینا۔ کھلا ذہن رکھنا جس میں نرمی ہو تنگی نہ ہو۔ سختی نہ ہو۔ ایمان کیا ہوتا ہے؟ حیا۔ دوسروں کا دل دکھانے سے شرم کرنا۔ سخت باتیں سنا دینے سے شرم کرنا۔ سامنے والے کے احساسات کا خیال کرنا۔ اور کیا ہوتا ہے ایمان؟ قرآن و حدیث کو ثبوت ماننا اور اپنی رائے سے اوپر سمجھنا۔ یہ جب انسان میں آ جاتا ہے نا یہ خیال کہ میں اور میرا مسلک غلط ہو سکتے ہیں مگر اللہ کی بات حرف آخر ہے تب انسان کا ذہن کھلتا ہے اور وہ سنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ میں نے بڑے بڑے مدرسوں اور یونیورسٹیز سے پڑھنے والے علماء کو دیکھا ہے وہ اتنی سختی سے دوسروں پہ کھٹا کھٹ فتوے لگاتے ہیں کہ عام زندگی میں بھی ان کا یہی رویہ بن جاتا ہے۔ مزاج میں سختی ہر وقت دوسروں کو جج کرنا اور بدکلامی۔ ان چیزوں سے دل سخت ہوتا ہے اور پھر وہ ہدایت نہیں لیتا۔ اور میں نے انہی مدرسوں اور یونیورسٹیز سے نکلتے ایسے علماء کو بھی دیکھا ہے جو گو کہ اپنی اٹل رائے رکھتے ہیں مگر دوسروں کی بھی سنتے ہیں اور نرمی سے سمجھانا بھی جانتے ہیں۔ دلیل سے بات کرتے ہیں غصے سے نہیں۔ حقارت اور نفرت سے نہیں۔ اللہ ایسے نرم خو لوگوں کا نام ہمیشہ بلند کرتا ہے کیونکہ یہ "اللہ کے دشمنوں" سے سخت بات بھی سختی اور بدکلامی سے نہیں کرتے۔ سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنی رائے اور دلیل بیان کرتے ہیں مگر دوسرے کے کان میں سیسہ نہیں گھولتے۔ ہمیں ضرورت ہے ایسے لوگوں کی طرح بننے کی اور اس کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ کوئی دو انسان ہر چیز کے بارے میں ایک جیسا نہیں سوچ سکتے۔ ہمارے گھر والے بھلے سیاسی اور مذہبی خیالات ہمارے جیسے رکھتے ہوں مگر کئی جگہ ان سے بھی ہماری رائے مختلف ہو سکتی ہے۔ مگر مزاج کی یہ نرمی صرف تب آئے گی جب ہم "ایمان" لے آئیں گے اور جان لیں گے کہ سب سے زیادہ درست صرف اللہ ہے۔ باقی ہم سب غلط ہو سکتے ہیں اور اگر اپنے غلط وجود سے بھی ہمیں اتنی محبت ہے تو دوسروں سے کراہت کیوں کریں؟ لوگوں کی کچھ باتوں کو نظر انداز کرنا اور کچھ کو در گزر کرنا..... یہ ایمان کا حصہ ہے۔"

لکھتے لکھتے اس کے ہاتھ درد کرنے لگے۔ شاید وہ کافی دن بعد قلم سے لکھ رہا تھا۔ مگر یہ کتاب تھی ہی ایسی جو ہر درد کا مرہم بن جاتی تھی۔ یہ

نہیں تھا کہ درد نہیں ہوگا' بس ہر درد کے بعد سکون بھی مل جائے گا۔ اس نے قرآن کو ادب سے چوما اور بند کر کے رکھ دیا' پھر انگلیاں کھولنے بند کرنے لگا' تا کہ سکون آئے۔

''بھائی بھائی۔'' پر سکون ماحول کا ببلہ ایک دم سے پھٹ گیا۔ حنین دھاڑ سے دروازے کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ٹیب تھا اور چہرے پہ بلا کا افسوس۔ ''وہ آپ لوگوں کا دوست.... احمر شفیع.... اس کے بارے میں سوشل میڈیا پہ خبر دیکھی آپ نے؟''

سعدی نے گہری سانس لی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''ہاں دیکھی تھی۔ ایک کار حادثے کے بعد ایک جلی ہوئی لاش ملی ہے جو اسی کی عمر کے بندے کی ہے اور اتفاق سے اس کے ساتھ جو احمر شفیع کے نام کا شناختی کارڈ' پاسپورٹ وغیرہ تھے' وہ بالکل بھی نہیں جلے۔'' حنہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''آپ کا دوست ہلاک ہو گیا اور آپ آرام سے بیٹھے ہیں؟''

''اسے غائب ہونے کے طریقے آتے ہیں' ایک فیک ڈیتھ اسٹیج کرنا اس کے لئے مشکل نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مگر ہو سکتا ہے یہ سب ڈرامہ نہ ہو۔ بلکہ اس کو مسز کاردار نے مروا دیا ہو۔'' اسے فکر ہوئی۔

''مجھے نوے فیصد یقین ہے کہ ایسا نہیں ہے' کیونکہ اس نے مجھے کہا تھا کہ ولیم شیکسپیر نے کہا ہے۔

"There ere three ways for a person to disepppeer. The first is to die. The second ie to lie. And the leet ie to be reborn."

اسی طرح اس نے کہیں اور کسی نئے نام سے جنم لے لیا ہو گا۔

حنین نے گہری سانس لی۔ ''زمانہ ہمیشہ کی طرح آخر میں بھی فراڈ ہی۔ یہ ڈائیلاگ شیکسپیئر کا نہیں ہے۔ وکٹوریا گرے سن نے Revenge میں بولا تھا۔ شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' یہ بھی اس کا ایک فراڈ ہو سکتا ہے' لیکن اگر نہیں بھی ہے تو جو میرے ایگزام والی بات ہاشم کو بتائی تھی نا' اسی کا بدلہ ملا ہے اسے۔''

''حنین!'' وہ خفگی سے بولا مگر وہ مڑے سے کہتی باہر جا چکی تھی۔ وہ اسے پہلے ہی دن سے برا لگتا تھا۔ پہلی دفعہ جب اس نے حنین کو دیکھا تھا تو اسے اس کی اخبار میں چھپی تصویر یاد آ گئی تھی اور رنگ گیا تھا اس کے بارے میں کھوج لگانے... ہونہہ.... کہ اس نے ایف ایس سی میں ٹاپ کرنے کے باوجود انجینئرنگ کیوں نہیں پڑھی۔ وہ اس کا سیاہ راز تھا اور اسی لیے اس احمر شفیع سے وہ شدید غیر آرام وہ محسوس کرتی تھی۔ مگر اب نہ وہ راز غیر آرام وہ کرتا تھا نہ وہ فراڈ ان کی زندگیوں میں رہا تھا۔ اور ویسے بھی اسے کل سے ڈرائنگ روم کی پینٹنگ بھی شروع کرنی تھی' سو آج رات گوگل کے آئیڈیاز کے نام!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عجب سوال کیا آندھیوں نے چڑیوں سے

شجر سے ٹوٹ کے گرنا بتاؤ کیسا لگا

بہت دن بعد آج سرِ شام ہی بارش شروع ہوگئی تھی۔ اوپر سے جیسے پانی کے تھال گرا دیے گئے تھے۔ پہاڑی علاقے کی اس بل کھاتی سڑک کے اوپر.... چوٹی پہ بنے پتھروں کے گھر کی کھڑکیوں پہ بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ باہر مئی کے باوجود ٹھنڈ ہوچکی تھی اس سٹنگ روم میں نوعمر لڑکا آتش دان میں ہیٹر جلانے لگا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر صوفے پہ بیٹھے ہاشم کو وضاحت دی۔ "ابو کو ٹھنڈ نہ لگ جائے اسی لئے جلا رہا ہوں۔" ہاشم نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہیل چیئر پہ بیٹھے خاور کو دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد لگ رہے تھے۔ جہاں ہاشم تروتازہ' تیار' تھری پیس میں ملبوس چاق و چوبند بیٹھا تھا' وہیں خاور لاغر کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ لگتا تھا۔ اس کے بال سفید ہو چکے تھے اور شیو بھی سفید تنکوں جیسی تھی۔ گردن ایک طرف ڈھلکی تھی اور نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

"تم جاؤ بیٹا۔ میں کچھ وقت تمہارے ابو کے ساتھ اکیلے میں گزارنا چاہتا ہوں۔" لڑکا ہیٹر سیٹ کر کے تابعداری سے سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ باہر برستی بارش کی تڑتڑاہٹ بھی معدوم ہونے لگی۔

"پچھلے ہفتے جب میں نے دو دن ایک سرخ رومال کو دیکھتے کمرے میں بند گزارے تو ایک دفعہ ایسا موقع بھی آیا کہ فون کھول کر اپنے کانٹیکٹس کے گروپس دیکھے۔ فرینڈز' فیملی' کولیگز' مشا سافرینڈز کے خانے میں بہت سے نام تھے۔" وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے خاور پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ "مگر کوئی بھی کام کا نہیں تھا۔ میں سوچتا رہا کہ دوست کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی وفا غیر مشروط ہو۔ جو آپ سے بھلے اختلاف رکھتا ہو مگر آپ کو سنتا ہو' آپ کو سمجھتا ہو' اور اس کو جب مدد کے لئے پکارو وہ حاضر ہو' اور جس کے لئے آپ بھی ہمیشہ حاضر ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ جو ہمارے لئے ہمیشہ حاضر ہوتے ہیں' وہ ہم سے ہماری ان کے لئے حاضری کی توقع نہیں رکھتے مگر خاور ..... مجھے احساس ہوا کہ شاید تم میرے سب سے اچھے دوست تھے۔"

بوندیں تڑتڑ شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ خاور کی آنکھیں اوپر کہیں جمی تھیں۔ جسم سے نالیاں لگی تھیں اور وجود میں ذرا سی جنبش بھی نہ ہوتی تھی۔ سوائے پلکیں جھپکنے کے۔

"اب تک میں تم سے غصے میں تھا۔ ناراض تھا۔ سوچتا تھا' کیا اتنی نفرت تھی تمہیں میرے باپ سے کہ ان کو مار ہی ڈالا؟ مگر اب میں ناراض نہیں ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں اب سمجھنے لگا ہوں۔ تمہیں بھی اور خود کو بھی۔ اپنے ہاتھوں سے ایک محبوب انسان کو مارنے کے بعد مجھے لگنے لگا ہے کہ قتل صرف نفرت اور دشمنی میں نہیں کیے جاتے۔ محبت میں بھی ہو جاتے ہیں۔ مجبوری لے ڈوبتی ہے۔ شاید تمہیں میرے باپ سے کوئی نفرت نہ ہو' شاید تمہاری مجبوری ہو' مگر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اب تمہیں سمجھ سکتا ہوں۔"

وہ اداسی سے کہہ رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔ خاور اسی طرح ایک طرف دیکھے گیا۔

"مجھے آج کہنے دو کہ میں تمہیں مس کرتا ہوں۔ تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ تمہارے جانے کے بعد ہر چیز میرے لئے خراب ہونے لگی ہے۔ سب بگڑ رہا ہے۔ مگر میں آخری دم تک لڑوں گا' لیکن مجھے کہنے دو کہ کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا' کاش تم میرے ساتھ ہوتے ان دنوں۔

کاش تم نے میرے باپ کو نہ مارا ہوتا۔" پھر وہ آگے ہوا اور قریب سے اس کو دیکھا۔ "کیا واقعی تم نے ڈیڈ کو مارا تھا؟" اس کی آواز میں ایک شبہ سا تھا۔ ایک شک۔ ہیجان۔ خاور دوسری جانب دیکھتا رہا۔ وہ اٹھا اور گھوم کر اس کی وہیل چیئر کے سامنے آیا' دونوں ہاتھ وہیل چیئر کے بازوؤں پہ رکھے اور اضطراب سے اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا جو کہیں اور دیکھ رہی تھیں۔

"اور اگر تم نے ہی ان کو مارا تھا تو کس کے کہنے پہ؟ کیا میری...." آواز کانپی۔ "میری ماں کے کہنے پہ؟ ہاں' بتاؤ مجھے۔" اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی اور وہ تڑپنے کے سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ "مجھے بتاؤ پلیز' کیا میری ماں نے میرے باپ کو مارا ہے؟ میں وجہ نہیں پوچھتا۔ صرف ہاں یا ناں پوچھ رہا ہوں کیونکہ میں...." وہ سیدھا کھڑا ہوا اور پیشانی تکان سے مسلی۔ "میں دو دن سے اس کشمکش میں ہوں کہ میری ماں اس وقت صرف کور اپ کر رہی ہے' یا وہ واقعی بے قصور ہے۔ اور میرا دل دونوں باتوں کو نہیں مانتا۔"

"مگر ایک بات میں جانتا ہوں کہ.... شاید اب میں ممی کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں تمہیں بھی سمجھ سکتا ہوں۔ اپنے ہاتھ سے پہلی جان لی ہے میں نے' اور بہت کچھ کھو دیا ہے۔ اگر یہ سچ ہوا' خاور.... اگر واقعی ممی نے یہ سب کیا ہے' تو میں.... میں ان سے راستہ الگ کر لوں گا۔ ان کو چھوڑ دوں گا۔ ان سے محبت کرنا ترک نہیں کر سکتا لیکن۔ اور ہاں' ان کو ہر حال میں سمجھتا رہوں گا۔ قتل مجبوری میں ہوتے ہیں۔ شاید ان کی بھی کوئی مجبوری ہو۔" پھر وہ تلخی سے ہنسا۔ "چند ماہ پہلے تک میں ایسا نہیں تھا۔ اب میں بدلتا جا رہا ہوں۔ میں بے حس ہوتا جا رہا ہوں۔ لیکن شاید یہ سعدی کی کوئی نئی تھیم ہے۔ اگر ممی انوالوڈ ہوتیں تو ہم دونوں کو صاحبزادی بیگم کے ملازم کا بیان نہ بتاتیں۔ اس بات کو چھپا تیں۔ وہ بے قصور ہیں' اسی لئے تو...." اس نے سر جھٹکا۔ "کیا تم مجھے سن رہے ہو؟" اس نے امید سے پکارا' یاس سے پکارا۔ مگر دوسری طرف وہی خاموشی تھی۔

"شاید تم سن نہیں سکتے۔ تمہاری سماعت متاثر ہوئی ہے۔ مگر اچھا لگا تم سے بات کر کے۔" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے' ایک آخری نظر اس پہ ڈالتا' مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ خاور نے آنکھوں کا رخ پھیر کر دروازے کو دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا' نہ روش وہ ابرِ بہار کی

جس ادا سے یار تھے آشنا' وہ مزاج بادِ صبا گیا

کالونی کے بنگلوں کی بتیاں رات میں جلتی ہوئی بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ حبس اور گرمی کے بعد بارش نے سارے میں رونق بخش دی تھی۔ کچھ لوگوں کے گھروں میں بنتے ہوں گے پکوڑے اور چپس مگر مور چال میں تھینر پینٹ کی بو ہی پھیلائے بیٹھی تھی۔ سارا گھر اس سے بےزار تھا' مگر چونکہ وہ اپنا پیر د خود تھی' تو اس کا دماغ عرصے سے آسمان سے اترنا بھول گیا تھا۔ فارس اس ساری چخ چخ جو ندرت' حنہ اور حسینہ کے درمیان جاری تھی' سے تنگ آ کر اوپر ٹیرس پہ آ بیٹھا تھا۔ موسم خوشگوار تھا' اور ٹھنڈی ہوا بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھے' آنکھیں بند کیے' ٹیک لگا کر بیٹھا' خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

"Knok knock!" آواز پہ چونک کر آنکھیں کھولیں۔ زمر اس کے سر پہ کھڑی تھی۔ سبز رنگ کے لباس میں' گھنگریالے بال آدھے

باندھے وہ کھلی کھلی سی لگ رہی تھی' ساتھ میں بھاپ اڑاتی چائے کا مگ بھی بڑھا رکھا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تھینک یو۔'' اور مگ لے لیا۔ وہ اس کے ساتھ کرسی پہ آ بیٹھی یوں کہ اس کی طرف گھومی ہوئی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''ہوں؟ کچھ نہیں۔'' فارس نے سر جھٹکا۔ اور مگ ہونٹوں سے لگایا۔

''اور میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ سوچو بھی نہیں۔'' وہ چونکا۔ ''کیوں؟''

زمر کی اس پہ جمی بھوری آنکھوں میں فکرمندی دکھائی دیتی تھی۔ ''تم خود کو مت پریشان کرو۔ مت تھکاؤ۔ گلٹی فیل مت کرو۔ آبدار کے ساتھ جو ہوا اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ فارس ہلکا سا مسکرایا۔

''پھر کس کا قصور ہے؟''

''ہاشم کا۔ اس کے باپ کا۔ وہ لوگ ذمہ دار ہیں۔ تم نہیں۔''

''مگر میں نے اس کو استعمال کیا تھا زمر' یہ سوچے بغیر کہ وہ مشکل میں پڑ سکتی ہے۔''

''تم نے سری لنکا تک اس کو استعمال کیا تھا' وہاں تو وہ مشکل میں نہیں پڑی نا؟ جس مشکل میں تمہارا ہاتھ نہیں' تمہاری نیت نہیں' اس کے لئے دل بھاری مت کرو۔''

''اچھا۔ کوشش کروں گا۔'' وہ زخمی سا مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

''اور یہ سب مت سوچو جو سوچ رہے ہو۔ اور میں جانتی ہوں کہ کیا سوچ رہے ہو۔ تم ضبط کیے بیٹھے ہو۔ اور چاہتے ہو ایک ہی وقت میں جا کر ان سب کو مار ڈالو۔ آبدار اور میرے ساتھ جو ہوا اس رات اس کے ذمہ داروں کو سزا دینے کا مت سوچو فارس۔'' وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ چپ چاپ چائے پیتے سنتے گیا۔ ''میں جانتی ہوں تم فرسٹریٹڈ ہو۔ بہت چپ رہنے لگے ہو۔ تمہیں یہ ساری بھڑاس ان لوگوں پہ نکالنی ہے' مگر میں چاہتی ہوں تم درگزر کر جاؤ۔ معاف کر دو۔ نہیں تو صبر کر لو۔ ہمارا کیس عدالت میں ہے۔ ہمیں وہ جیتنے دو۔ اور پھر میں تو ٹھیک ہوں بالکل۔''

''تم ٹھیک ہو نا؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''ہوں۔'' اس نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اس وقت نہیں تھی۔ شاک میں تھی۔ شل تھی' مگر اب ٹھیک ہوں۔ وعدہ کرو تم کچھ نہیں کرو گے ان کے خلاف؟''

''اوکے۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے آخری گھونٹ پیا اور کپ اسے تھما دیا۔ زمر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اتنی شریفانہ شکل بنا کر جب حکم مانتے ہو تو مجھے پتہ نہیں کیوں یقین نہیں آتا۔''

''تمہاری سوچ ہی خراب ہے۔''

''اور تمہاری نیت۔''

''اُف۔'' وہ کراہا۔ ''اچھا بھلا میں تیسری شادی کرنے کے قابل ہو رہا تھا اب پچھتا رہا ہوں کہ کیوں بچانے گیا تمہیں۔''

''تمہیں سچ میں تیسری شادی کا اتنا شوق ہے یا صرف میرے سامنے بنتے ہو؟''

''تم کبھی ہو تو تجربہ کر کے دکھا دوں تمہیں؟''

''ہونہہ!'' وہ ناک سکوڑ کر سیدھی ہوئی اور ٹیک لگا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ نیچے سے حنین اور ندرت کی بحث کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''میں سوچ رہا ہوں، ہم نیا گھر لے لیں۔''

''پھپھو جی کا گھر چھوڑ دو گے تم؟'' زمر کو یقین نہیں آیا۔

''بی بی یہ پھپھو جی کا گھر نہیں ہے۔ یہ پورا اجڑا گھر ہے۔'' تڑپ کر جیسے وہ بولا تھا۔ وہ ایک دم ہنسنے لگی۔

''میں سنجیدہ ہوں۔ چلو اب ہم اپنا گھر لیتے ہیں۔ جہاں ہم سکون سے رہ سکیں۔ ہر وقت یہ سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں جہاں اور ہر دوسرے دن کدو گوشت نہ بنا کرے۔''

''تم اتنا تنگ ہو میرے گھر والوں سے؟'' وہ خفا ہوئی۔

''میں اس سے بھی زیادہ تنگ ہوں۔'' وہ سخت اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ ''مجھے تو یہاں کوئی اپنا سمجھتا ہی نہیں ہے۔''

''میں تو سمجھتی ہوں نا۔ اچھا واقعی... میں تمہیں سمجھنے بھی لگی ہوں۔ سنو، پھر سے بتانا، تمہیں واقعی نہیں معلوم تھا کہ قانونِ شہادت میں ایسا آرٹیکل بھی ہے۔ جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا!؟''

''بیڑہ غرق ہو قانونِ شہادت کا۔ یہ ہماری ہر بات میں کیوں آ جاتا ہے۔''

اور وہ ہنستی چلی گئی۔ ''میں اس کا جواب تمہیں نہیں دوں گی مگر میں صحیح تھی۔ تمہیں واقعی اس آرٹیکل کا نہیں علم تھا۔ کاش تم نے کلاس میں مجھے دیکھنے کے سوا بھی کچھ کیا ہوتا۔''

''کیوں نہیں کیا تھا؟ دو لڑکیاں بہت پسند تھیں مجھے۔ ایک کا نام رباب تھا، اس کے گھر کا پتہ تک یاد ہے مجھے۔ اور دوسری....'' اور جواب میں وہ خفگی سے کچھ کہنے لگی تھی۔ مگر وہ اثر لئے بغیر ٹیک لگا کر بیٹھا، پاؤں میز پہ رکھے بولے جا رہا تھا۔ اس پانی کی ساری تلخی اور تکلیف بالآخر دھل گئی تھی اور وہ پہلے جیسا ہو کر پہلے جیسی باتیں کرنے لگا تھا۔

وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

زمر کے خیال میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ڈیئر علیشا کاردار'

تمہارا خط ڈھائی سال پہلے مجھے ملا تھا۔مگر جواب لکھنے آج بیٹھی ہوں۔)

عدالت اور موسم' دونوں پہ گرما گرمی کا عالم چھایا ہوا تھا۔وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا' ریت کی طرح انگلیوں سے پھسل رہا تھا' آبشار کے پانی کی طرح پتھروں سے سر پٹخ رہا تھا.....

(دراصل علیشا ان ڈھائی سالوں میں بہت کچھ بدلا ہے۔اور میں نے جان لیا ہے کہ تم غلط تھیں۔)

کمرہ عدالت میں کٹہرے میں جواہرات کھڑی تھی اور زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ 21 مئی کو نوشیرواں پاکستان میں ہی تھا' مگر اس کو دیکھنے والے تمام ملازم آپ نے چند دنوں میں فارغ کر دیے تھے؟''

''ملازم دوسری وجوہات پہ فارغ کیے تھے' سب کے ٹرمینیشن لیٹرز کی کاپیز میں آج ہی جمع کروائے دیتی ہوں۔'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔

''نوشیرواں دبئی میں تھا' اور آپ کی اس شادی کے بعد ہی چلا گیا تھا جس کو کروانے کے لئے آپ نے میری منت کی تھی' زمر صاحبہ!''

''شادی کے بارے میں آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے مسز کاردار' آپ پہ تو ویسے بھی آج کل اپنے ہی شوہر کو قتل کروانے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔'' وہ بھی تپا نے والی مسکراہٹ سے بولی۔ہاشم کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔وہاڑ سے وہ ''آبجیکشن' بولتا اٹھا۔

''وِدڈران!'' (واپس لیا۔) زمر نے سادگی سے ہاتھ کھڑے کر دیے۔جواہرات نے تلخ مسکراہٹ سے سر جھٹکا تھا.....

(میں نے یہ بھی جان لیا ہے علیشا کہ صرف میرے اندر دو بھیڑیے نہیں ہیں نیکی اور بدی کے۔یہ ہر شخص کے اندر ہوتے ہیں۔ہر شخص گلٹی ہے۔لیکن تمہاری طرح میں اب دوسروں کو جج کر کے ان کو گلٹ میں نہیں ڈالنا چاہتی۔کتنا بہتر ہوتا اگر تم اپنے اعمال پہ زیادہ غور کرتیں بجائے میری فکر کرنے کے۔)

لیبارٹری میں کھڑا ڈاکٹر نوازش ہکان سے اپنا بیگ سمیٹ رہا تھا۔چیزیں الٹ پلٹ کرتے اس نے اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا۔چند پیغام تھے۔ان کو پڑھتے وہ کھڑا ہو گیا۔تب ہی اچانک سے لیب کی بتی بند ہو گئی۔اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ادھر ادھر دیکھا' مگر اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' پیچھے سے کسی نے اس کو دھکا دیا تھا۔موبائل پھسلا' اور خود وہ نیچے لڑھکا۔پھر ہکا بکا بوکھلا کر سر اٹھایا۔اس کے ساتھ دو جوگرز آ رکے تھے۔اس نے حیران نظریں اٹھائیں۔اوپر جینز اور سرمئی شرٹ پہنے' آستین چڑھائے' چھوٹے کٹے بالوں والا فارس غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

''کون ہو؟ اندر کیسے آئے؟'' مگر فارس جواب دینے کی بجائے جھکا' اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا' اور اس کا چہرہ اپنی سرخ آنکھوں کے قریب لے جا کر غرایا۔

''آبدار عبید کا پوسٹ مارٹم تم نے کیا تھا؟''

''کون.... آب وا....'' وہ ہکلایا مگر بات مکمل نہیں ہوئی۔ فارس نے اسے میز پہ یوں دھکیلا کہ بہت سا سامان' شیشے کی بوتلیں' فلاسک وغیرہ نیچے گرتی گئیں۔ ہر طرح ٹوٹتے کانچ کی آوازیں اور کرچیاں بکھر گئی تھیں۔ ڈاکٹر کا سر پھٹ گیا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔

''یادداشت آئی ہے واپس تو اب بتاؤ۔'' اسے گدی سے پکڑ کر اٹھایا اور کھڑا کیا۔

''کیا کیا لکھنا بھول گئے تھے اس کی رپورٹ میں؟''

''بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔'' وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ چہرے پہ خوف و ہراس تھا اور ماتھے سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ ''اس کے جسم پہ تشدد کے نشان تھے۔ بازو' ہاتھ اور گردن پہ۔ اور پھیپھڑوں سے ملنے والا fluid کسی جھیل یا.... یا سمندر کا نہیں تھا' اگر ہوتا تو اس میں diatoms....''

''کس کے کہنے پہ بنائی تھی رپورٹ؟ بتاؤ!'' وہ غرایا تو اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتا چھوٹا سا ڈاکٹر کانپ اٹھا۔ ''ڈاکٹر آفتاب واسطی' ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ!''

آئندہ.... تم کسی کی بھی رپورٹ بنانے کے قابل نہیں رہو گے۔'' اور یہ کہہ کر اس نے اس کے دائیں ہاتھ کو مروڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ عجیب سی آواز آئی اور ڈاکٹر کی چیخیں نکل گئیں۔ فارس نے نفرت سے اسے پرے پھینکا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر مڑا' اور بڑی میز کو دھکیلتے ہوئے' سامان سمیت اس کے اوپر گرا دیا۔ ایک کرسی کو ٹھوکر ماری اور پھر نفرت سے اسے دیکھتا باہر نکل گیا......

(تم جیسے لوگ علیشا خود تو ناکام اور تلخ ہوتے ہی ہیں مگر دوسروں کو ہر وقت عقابی آنکھ تلے رکھتے ہیں۔ اصل میں کچھ لوگوں کو بڑا دکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ ان کو اپنے دوستوں کے سامنے بڑا لگنے کے لیے دوستوں پہ جا بجا تنقید کی عادت پڑ جاتی ہے۔)

کمرہ عدالت میں سب دلچسپی اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑی شہرین کو سن رہے تھے جو صفائی سے کہہ رہی تھی۔ ''میرے علم میں نوشیرواں کے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اسے کبھی گلاک کا یہ ماڈل چلاتے دیکھا ہے۔''

''مگر کیا اس دن آپ میرے اور فارس کے پاس نہیں آئی تھیں یہ کہنے کہ ہم آپ کو کیا دیں گے اگر آپ اس گن کا لائسنس ڈھونڈ دیں ہمیں؟'' زمر سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''یہ صریح بہتان ہے۔ میں آپ کے گھر کبھی نہیں آئی۔'' اس نے کندھے اچکائے تھے۔

(اور اگر تم جیسوں کا کوئی دوست میرے جیسا ہو جس کا دل ایسا ہی حساس ہو تو وہ تم نقاد دوستوں کی باتوں کو دل سے لگا کر ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ تم جیسے لوگ دوستوں کی سب سے بری قسم سے تعلق رکھتے ہو۔)

وقائع کی کرسیوں پہ موجود ہاشم کا موبائل بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ بلاکڈ نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔ ''اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ ہندسے لکھ کر ٹویٹ کر دو۔ میں سمجھ جاؤں گا۔'' ہاشم نے ٹویٹر کھولا اور ''پر امید'' کے نیچے وہی ہندسے لکھ کر ٹویٹ کر دی۔ پھر مسکرا کے فون جیب میں رکھا' ذرا سا مڑا تو پیچھے گول چشمے والا آدمی اپنا موبائل دیکھ رہا تھا۔

ہاشم مسکرا کے سیدھا ہوا اور نوشیرواں کی طرف جھکا۔ "تم بے فکر رہو۔ سعدی یوسف کے دوسرے دشمن ہم سے زیادہ اس خاندان کی تباہی کے خواہشمند ہیں۔" شیرو خاموش رہا تھا۔

(میں اس امت سے تعلق رکھتی ہوں علیشا، جس کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو برے حلیے میں دیکھا تو خود کچھ نہیں کہا مگر اس کے جانے کے بعد صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس کو کہہ دیتے تو اچھا تھا۔ مگر ساری بات یہ ہے کہ انہوں نے خود کچھ بھی کہنے سے حیا کی۔ ہمارا اللہ ہمیں حیا سکھاتا ہے۔ یہ خود کو صاف گو اور منہ پھٹ کہنے والے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اچھے دوست نہیں بن سکتے اور اپنی بدکلامی کی وجہ سے آخر میں اکیلے رہ جائیں گے۔)

مور چال گرمی بھری رات میں ڈوبا تھا، اور سرونٹ کوارٹر میں جیٹھا صداقت افسوس سے سامنے بیٹھی حسینہ کو کہہ رہا تھا۔ "مجھے بڑا ارمان لگا کہ فارس بھائی اس دن ہم پہ شک کر رہے تھے۔ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"اصل میں، میں نے جو بول دیا کہ تم لائے ہو تو وہ اس لیے شک کرنے لگے۔" وہ جلدی سے بولی۔ وہ چونکا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ یہ تمہاری امی جی نے تمہیں تحفے میں دیا ہے۔"

"ایسے ہی بتاتی؟ نظر لگ جاتی ہے۔"

(سچے لوگ بدکلام نہیں ہوتے اور منہ پھٹ اور تلخ کلام لوگ سچے نہیں ہوتے۔ منافقین کہتے تھے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ حالانکہ جو بات وہ کہہ رہے تھے وہ تو سچ تھی۔ مگر وہ جھوٹے اس لیے تھے کہ ان کا دل اس کی گواہی نہیں دیتا تھا۔)

رات مزید گہری ہوئی تو وہ سرونٹ کوارٹر سے نکل کر سنبھل سنبھل چلتی چار دیواری کی پچھلی سمت جانے لگی۔ یہاں کونے میں ایک بڑا سا درخت تھا۔ وہ کسی بلی کی طرح اس پہ چڑھی اور پھر چڑھتی گئی، دیوار تک پہنچی، پھر وہاں سے دوسری طرف پھلانگ گئی۔ سامنے اندھیرے میں وہ شخص کھڑا تھا، اور اس نے سرخ سا مفلر چہرے پہ لپیٹ رکھا تھا۔

"اب اور کیا کرنا ہے مجھے؟ بہت مشکل سے آئی ہوں۔ اگر میرے مالکوں کو معلوم ہو گیا نا تو میری جان لے لیں گے....."

"بس... ایک آخری کام!" وہ آہستہ سے بولا تھا اور پھر دھیمی آواز میں اس کو کچھ سمجھانے لگا تھا۔

(سچے لوگ وہ ہوتے ہیں جو وہ کہیں جس کی گواہی ان کا دل دے۔ اور آپ کا دل جب آپ کو بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے سے آپ کے دوست کا دل دکھ جائے گا اور آپ پھر بھی اسے کہہ ڈالیں تو آپ نے سچ نہیں کہا۔ آپ نے بدکلامی کی۔)

کمپیوٹر اسکرین روشن تھی اور سعدی اور حنین اس کے سامنے پورے انہماک سے بیٹھے تھے۔ حنہ ساتھ ساتھ ٹائپ بھی کیے جا رہی تھی۔

"مزے کی بات یہ ہے کہ پی ایم ڈی سی نے سارے پاکستان کے ڈاکٹرز کا ڈیٹا اپنی ویب سائٹ پہ ڈال رکھا ہے۔ معمولی سی ہیکنگ اور یہ دیکھیں...." حنہ مزے سے کہہ رہی تھی۔ "میرا فیشل ریکوگنیشن سافٹ ویئر اپنا کام چند منٹ میں کر لے گا اور اگر ڈاکٹر مایا کی شکل کی کوئی

لڑکی یہاں ہوئی تو وہ نکل آئے گی۔"

"ویری گڈ جاب' ہیڈ گرل!" اس نے حنہ کا شانہ تھپکا تھا۔ وہ مسکرا کر اور سعدی فکر مندی سے اسکرین کو دیکھنے لگیا۔

(اور علیشا انسان کو ایسا دوست نہیں بنانا چاہیے جو اپنے دوست کو صرف اس لیے خط لکھے کہ جب وہ خود جیل میں اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچا ہے تو دوسرے کو بھی کہنے لگے کہ حنین تم بھی کچھ برا ضرور کرو گی۔ یہ دوسروں کے بارے میں فتوے پتہ نہیں تم جیسے دوست کیوں دے لیتے ہیں جن کو اپنے کل کا نہیں پتہ ہوتا۔)

سرخ نشان ابھرا تو حنین اور سعدی' دونوں کے منہ کھل گئے۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ مایوسی سی سارے میں پھیل گئی تھی۔ "یعنی ملیا پاکستان میں رجسٹرڈ ہی نہیں ہے۔ اسے کسی اور ملک سے بلوایا گیا تھا۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"یعنی اب ہمارے پاس اور کوئی گواہ نہیں ہے۔ اب بند کر دو ان کی ویب سائٹ۔"

"ارے واہ۔ ایسے ہی بند کر دوں؟ تھوڑی سی editing تو کرنے دیں۔" اس کی آنکھیں چمکیں اور اس نے کی بورڈ سنبھال لیا۔ سعدی حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کاؤنسل کا "اباؤٹ" سیکشن ایڈٹ کر رہی تھی۔

"ہم سے ملیے۔ ہم ہیں پاکستان مینٹل اینڈ ڈپریسڈ کمیونٹی۔ ہم نے صرف پرائیویٹ میڈیکل کالجز کو کھلی چھٹی دے کر بچوں کا بیڑہ غرق نہیں کیا' بلکہ ہم نے انٹری ٹیسٹ کے نام پہ دنیا کا سب سے منافع بخش کاروبار بھی شروع کر رکھا ہے۔ آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ انٹری ٹیسٹ کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کو ہم اس لیے ختم نہیں کر رہے کیونکہ ہمارے بہت سے دوست اور رشتہ دار انٹری ٹیسٹ پہ بپ کی اکیڈمیاں چلا کر ہر سیزن میں اربوں روپے بنا لیتے ہیں۔ ورنہ باقی اس کا صرف ایک مقصد ہے۔ اٹھارہ انیس سال کے بچوں کے ذہن کو مفلوج کرنا۔ ان کو خوفزدہ کرنا۔ میٹرک سے ان کے ذہن پہ سوار کر دینا کہ انہوں نے تعلیم نہیں حاصل کرنی بلکہ ایک ہزار سے اوپر نمبر لینے ہیں۔ اور وہ بچے اپنے سینئرز کو ان کے ناموں سے نہیں "999 نمبر والا" اور "1021 نمبر والی" جیسے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے پاس سیٹیں تھوڑی ہوتی ہیں' اور ہم ہزاروں بچوں کو کامیاب نہیں کر پاتے' تو ہمیں فخر ہے کہ جس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہ ہو' اس کو معاشرہ "نالائق" سمجھتا ہے۔ وہ بچہ کسی بھی فیلڈ میں چلا جائے' وہ اس احساسِ کمتری اور ڈپریشن میں رہتا ہے کہ اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ہوا اور ان ہزاروں ناکام بچوں کو ہماری کوشش ہے کہ کبھی یہ نہ پتہ چلنے دیا جائے کہ انٹری ٹیسٹ پاس یا فیل کرنا اہم نہیں ہے۔ اس کی تیاری کرنا اور اس کو دے ڈالنا' یہی سب سے بڑی جدوجہد ہے جسے اگر آپ نے کر لیا ہے تو بھلے آپ کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہ ہو' آپ دنیا کی ہر اچھی فیلڈ میں کامیابی کے جھنڈے گاڑھ سکتے ہیں اگر آپ خود پہ اعتماد رکھیں۔ آپ نالائق نہیں تھے۔ یہ آپ کی حکومت کا ناانصافی پہ مبنی نظام تھا۔"

"بس کر دو حنہ۔ سائبر کرائم میں پکڑی جاؤ گی۔" وہ اس کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اوہ یس!"

(علیشا تمہارے اس ایک خط نے مجھے ذہنی طور پہ بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔ دوستوں کو تم جیسا نہیں ہونا چاہیے۔ دوستوں کو دوستوں کی خامیاں نرمی اور پیار سے بتانی چاہئیں۔ اور خامی سے زیادہ ان کا حل بتانا چاہیے۔ "تم پہ سیاہ رنگ بالکل سوٹ نہیں کر رہا" کی بجائے "تم پہ سیاہ سے زیادہ سبز سوٹ کرتا ہے۔" کہہ دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔)

"پلیز گولی مت چلانا۔ میری بات سنو' میں تمہیں سب سچ سچ بتا دوں گا۔" وہ نیم اندھیر کمرہ تھا اور اوپر بلب جھول رہا تھا۔ نیچے ایک میز رکھی تھی جس کے سامنے کرسی پہ بندھا ہوا ڈاکٹر آفتاب پسینہ پسینہ ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کو ہتھکڑی سے بندھے تھے اور گریبان کے دو بٹن کھلے تھے' کہنی سے شرٹ پھٹی تھی اور جلد چھلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ بال بکھرے تھے اور چہرے پہ خوف تھا۔

آستین چڑھائے کھڑے فارس نے پستول میز پہ رکھا' اور اس کے سامنے جا ٹھہرا۔ تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے' ایک جوتا اس کے گھٹنے پہ رکھا اور دبایا۔ گھٹنے پہ شاید کوئی زخم تھا' جس سے خون رسنے لگا اور وہ کراہنے لگا۔

"رکو۔ پلیز میری بات سنو۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"میرے بھائی کی رپورٹ تم نے بنائی تھی نا۔ وہ اینٹی ڈپریسنٹ کھاتا تھا' یہ بھی لکھا تھا تم نے۔ اس کے جسم پہ تشدد کے نشان نہیں تھے' میرے جڑی بھائی نے خودکشی کی تھی' یہ سب لکھا تھا نا تم نے۔ آبدار کی رپورٹ بھی تم نے بنوائی ہے نا۔"

"میں نے ہاشم کے کہنے پہ...." وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک ہی سانس میں سب کہتا گیا۔

"اور کس چیز سے جواہرات نے تمہیں مجبور کیا کہ تم اس کے شوہر کی رپورٹ بدلنے پہ مجبور ہو گئے؟" ڈاکٹر آفتاب چپ ہو گیا تو اس نے پستول اٹھایا اور اس کے دوسرے گھٹنے کی طرف تان لیا۔ اس کا چہرہ اتنا سرد تھا' اور اتنی تپش لیے ہوئے تھا کہ ڈاکٹر کا سانس اٹکنے لگا۔

"میں بتاتا ہوں۔ طوبیٰ.... میری بیوی کی بیٹی تھی۔ میری بیوی اور اس کا بیٹا.... طوبیٰ کا بھائی.... نہیں جانتے کہ طوبیٰ نے میری وجہ سے خودکشی کی تھی۔ میں نے...." وہ جلدی جلدی بتاتا گیا۔ اس عمر میں وہ ہڈیوں میں لگنے والی گولی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چپ ہوا تو فارس نے جوتا اٹھا لیا۔

"میں چاہتا تھا تمہارے بازو کی اس نس میں چھرا گھونپ دوں جو تمہاری انگلیوں کو سن کر دے گی' اور تم کبھی دوبارہ سرجری نہیں کر سکو گے' مگر نہیں۔" اس نے یہ کہتے ہوئے گریبان پہ اٹکا پین اتارا' اس کی کیپ کو پریس کیا اور اسے دکھایا۔ "میں نے تمہاری طوبیٰ والی کہانی ریکارڈ کر لی ہے' اور میں اسے تمہاری بیوی اور اس کے بیٹے کو دے دوں گا۔ وہ دونوں خود فیصلہ کریں گے کہ انہیں تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔"

"نہیں...." اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ "ایسے مت کرو۔"

"یہ رہی تمہاری ہتھکڑی کی چابی۔" اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی اور جب اس نے امید سے دیکھا تو فارس نے چابی اس کے قدموں میں گرا دی۔

"جب تک تم اپنی ہتھکڑی کھول کر آزاد ہو پاؤ گے' وہ یہ ویڈیو دیکھ چکے ہوں گے۔" اور ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر بولا۔ "الوداع۔" بازو بڑھا

کر لیمپ کھینچا۔ بلب بجھ گیا۔ اب اس کے دور جاتے قدم سنائی دے رہے تھے.....

(جو دوست اپنی بات کا آغاز "سوری مجھے کہتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا مگر ایسا ہے کہ....." یا "دیکھو برا تو نہیں مانو گی ایک بات کہوں" کی طرح کے فقروں سے کرتے ہیں' وہی سب سے برے دوست ہوتے ہیں۔ ایسی بات کہی ہی کیوں جائے جس سے دوست برا مانے؟ بلکہ کیوں نہ بری لگنے والی باتیں بھی اچھے انداز میں کی جائیں؟ اللہ کے رسول ﷺ تو کسی کو کچھ کہنے سے پہلے "برا تو نہیں مانو گے؟" نہیں پوچھا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ دوسرے کی مدد کرنا چاہتے تھے' اسے شرمندہ کرنا نہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہی نہیں تھے جس سے کوئی برا فیل کرے بلکہ اسے حل بتاتے تھے۔)

"گواہوں کے بیانات اور شواہد سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے یور آنر کہ....." زمر چبوترے کے سامنے کھڑی' دونوں ہاتھوں میں قلم کو گھماتی بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ "کہ ملزم نوشیرواں کاردار نے میرے موکل سے ذاتی عناد کے باعث پہلے اس کا پیچھا کیا' پھر اس کو تنہا پا کر اسے گولیاں ماریں۔ پھر بھی اس کی جان نہیں گئی تو اسے ہسپتال سے اغوا کرالیا۔ اور ملک سے باہر بھیج دیا۔ ملزم کے اثر ورسوخ کو دیکھ کر یہ یقین کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے کہ یہ سب اس کے لئے بہت آسان تھا۔ میرے موکل کو قید میں نو ماہ شدید اذیتیں دی گئیں اور اب تک ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ نہ صرف ملزم کو مجرم قرار دیا جانا چاہیے بلکہ اس کو سزائے موت بھی سنائی جائے۔" اور ذرا ٹھہر کر وہ سرد آواز میں بولی۔

"Prosecution pleads for death penalty"

(اور دوستوں کو میری طرح بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اسکول کالج میں کوئی دوست' یا انٹرنیٹ پہ کوئی فرینڈ بات بات پہ صاف گوئی کی آڑ میں ہمیں طنز کا نشانہ بناتا ہو' اور ہم اس کی باتیں سن کر دکھی پہ دکھی ہوتے چلے جائیں' یہ بھی درست نہیں۔)

اسکول کے آڈیٹوریم میں عجیب ہنگامہ سا مچا تھا۔ جہاں چند منٹ پہلے بچے اسٹیج پہ پرفارم کر رہے تھے' وہاں اب وہ سہم کر ایک طرف کھڑے تھے' اور انہی میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑی سونی بھی تھی۔ پروجیکٹر اسکرین پہ ایک ویڈیو چل رہی تھی جس میں شہرین کاردز کھیلتی اور پیسے ہارتی نظر آرہی تھی۔ ڈی جے پاگلوں کی طرح کیز دبا رہا تھا' کسی طرح اس ویڈیو کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اسٹاپ نہیں ہو رہی تھی۔ انتظامیہ ندامت سے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی اور حاضرین میں کھڑی شہرین کا چہرہ مارے خفت کے سرخ پڑ رہا تھا۔ والدین مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے' چہ مگوئیاں کر رہے تھے' اور ساتھ کھڑی جواہرات تلخی سے بڑبڑا رہی تھی۔ "آج کے بعد تم سونی کے دو فٹ قریب بھی نہیں آؤ گی۔ ایک تقاضا مت بولنا۔ تم قابل حقارت عورت ہو۔ اس قابل نہیں ہو کہ اس بچی کی پرورش کر سکو۔ ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ سونی کو گھر میں لے جاؤں گی۔" اور شہری نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا پرس اٹھایا تھا۔

(میں نے جان لیا ہے علیشا کہ انسان کو رشتے دار چننے کا اختیار بھلے نہ ہو مگر دوست چننے کا ضرور ہوتا ہے۔ اور ایسے دوستوں سے انسان کو خود ہی دور ہو جانا چاہیے جو بات بے بات آپ کو اپنی تلخی کا نشانہ بناتے ہوں۔)

"میں اس کی گارجین اینجل ہوں' پتہ ہے آپ کو مادام شہرین!" شہری خفت سے چہرہ جھکائے' پرس ماتھے پہ رکھے تیز تیز باہر چلتی جا رہی تھی جب آڈیٹوریم کے باہر سے کسی نے اسے پکارا۔ وہ ٹھٹک کر مڑی۔ حنین کو دیکھا تو بے اختیار پرس والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا' اور پھر بے یقینی در آئی۔ "تم نے کیا ہے یہ؟"

"میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ ہر بری گھڑی میں میں فارس غازی کے ساتھ کیوں ہوتی ہوں؟" وہ سینے پہ بازو لپیٹے' اپنا ٹیبلیٹ ایک ہاتھ میں پکڑے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ "جب وارث ماموں کو مارا گیا تب میں ان کے ساتھ تھی۔ جب زرتاشہ کو گولی لگی تو وہ میرے ساتھ ہوٹل میں تھے۔ جس قمرالدین کے قتل کا الزام لگا ان پہ' اس کے قتل کے وقت اس صبح بھی وہ میرے ساتھ تھے۔ پھر اس رات جب تم نے اور تمہارے سائیکو شوہر نے زمر کو مارنا چاہا' تب بھی میں فارس غازی کے ساتھ تھی۔ پتہ ہے کیوں؟" وہ دو قدم قریب آئی۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کیونکہ میں فارس غازی کی گارجین اینجل ہوں۔ اور میرا کام ہے ان کے راستے کی چھوٹی موٹی جڑی بوٹیوں کو صاف کرنا۔" اور وہ آگے بڑھ گئی۔ شہری مارے غصے کے پیر پٹخ کر رہ گئی مگر اس کے پیچھے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہیں سے سارے والدین نکل کر آ رہے تھے۔

(اور علیشا میں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو تبدیل نہیں کر سکتے' صرف ان کو بدل سکتے ہیں۔ ہم ان کا رویہ اور ان کی عادات نہیں تبدیل کروا سکتے ان سے۔ اس لیے دوست بدل لینا زیادہ بہتر ہے بروقت کی دل آزاری سے۔)

"یور آنر مسز زمر کے افسانوں کے برعکس....." ہاشم اب چبوترے کے سامنے دائیں سے بائیں چلتا' ہاتھ ہلا ہلا کر متانت سے کہہ رہا تھا۔ "اس کیس میں فی الحال تک صرف یہی بات ثابت ہو پائی ہے کہ سعدی یوسف کو کسی نے اغوا نہیں کیا تھا۔ وہ واقعی زخمی ہوا تھا اور یہاں کے ساتھ زیادتی تھی' ہم بھی چاہتے ہیں کہ اس کے مجرم نیاز بیگ کو' جو جرم قبول کر چکا ہے واقعی سزا ملنی چاہیے۔ مگر انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس gold-digger لڑکے نے اپنی زخمی حالت کا ناجائز فائدہ اٹھایا' اور شوال میں مقیم اپنے دہشت گرد سہولت کاروں سے کہلوا کر خود کو خود غائب کروایا۔ ہر گواہ چیخ چیخ کر بتا چکا ہے کہ سعدی یوسف کی سرگرمیاں مشکوک تھیں اور وہ شرپسند عناصر کے ساتھ میل جول رکھتا تھا۔ اب چونکہ وہ واپس آ چکا ہے تو اپنے ان مہینوں کی گمشدگی کو کور اپ کرنے کے لئے اس نے ایک امیر خاندان کو نشانہ بنایا۔ تاکہ کیس کے دوران وہ خاندان سیٹل منٹ کے نام پہ اس کو بھاری رقم ادا کر دے اور تیسرے فریقین کے ذریعے بارہا اس نے کیس سیٹل کرنے' اور پیسے لینے کا عندیہ بھی ظاہر کیا' مگر ہم نے ٹھان لی تھی کہ پیسے نہیں دیں گے' بلکہ انصاف لیں گے اور....." اس کی آواز عدالت میں گونج رہی تھی اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔

(میں یہ نہیں کہتی کہ دوستوں کو ان کی خامیوں سے آگاہ ہی نہ کیا جائے بلکہ ان کی ہر وقت جھوٹی تعریفیں کی جائیں۔ میں صرف یہ کہتی ہوں علیشا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا مگر جب وہ سچ بول کر بھی اپنے ساتھیوں کا دل نہیں دکھاتے تھے تو ہمارے سچ ہمارے دوستوں کو آزردہ کیوں کر دیتے ہیں؟ ہم سچ بولنے سے پہلے "برا مت ماننا" کہہ کر کیوں اقرار کرتے ہیں کہ بات برا ماننے والی ہی

ہے؟)

قصرِ کاردار کی عقبی بالکونی میں ہاشم کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ سامنے دور پہاڑوں پہ سورج غروب ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے شرٹ کے آستین موڑے مغموم سے انداز میں اس نارنجی تھال کو دیکھ رہا تھا جو بس کسی پل لگتا تھا زمین پہ الٹ جائے گا مگر بادل اس کو سنبھالے ہوئے تھے۔ سہارا دیے ہوئے تھے۔

"تم نے شہری کو بے دخل کر کے اچھا کیا۔ اس کی وجہ سے سونی کی بہت انسلٹ ہوئی۔ سونیا تب سے ڈپریشن میں ہے۔" ساتھ بیٹھی جواہرات کہہ رہی تھی۔

"ہوں۔" ان نے ہنکارا ابھرا۔ نظریں ڈوبتے سورج پہ جمی تھیں۔ "سونی کو اس کی ماں کے غلط کاموں کی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتا میں۔ ایسی ماں کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہیے جو اولاد کی پرواہ کیے بغیر اتنے غلط کام کرتی رہی ہو۔"

جواہرات کا دل زور سے دھڑکا مگر بظاہر مسکرائے گئی۔ "صحیح کیا۔ ہر ماں تمہاری ماں جیسی نہیں ہوتی جو اولاد کے لئے ہر شے قربان کر دے۔"

ہاشم نے نظریں پھیر کر اجنبی سے انداز میں اسے دیکھا۔ "ہمارے لئے کیا آپ کو کچھ بہت مشکل کام بھی کرنے پڑے تھے؟" اور وہ جان گئی کہ وہ جان گیا ہے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بہت مشکل کام ہاشم۔ بہت ہولناک کام۔" ہاشم اسے دیکھتا رہا۔ گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی صاف دکھائی دی۔

"اور ایسے کام کرتے وقت کیا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا آپ کے پاس تب شاید.... آپ وہ نہ کرتیں؟"

"دوسرے راستوں میں میرے بیٹوں کی تباہی تھی۔ میں نے بیٹوں کو چنا۔" اس کی آنکھ سے آنسو ٹپ سے گرا تھا۔ دونوں ایک دوسرے پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔ سانس بند سے تھے۔ ایک دوسرے کو کھوجنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اور کیا آپ نے سوچا کہ آپ کے کسی ایسے قدم سے.... ہولناک قدم سے.... آپ کے بیٹوں کو کتنی تکلیف ہو سکتی ہے؟"

"تکلیف کا علم تھا مگر تباہی سے بچانے کے لئے ذرا سی تکلیف دینا بہتر تھا۔"

(میں چاہتی ہوں کہ ہم دوسروں سے ایسی دوستی کریں کہ ہمارے دوستوں کو ہمارے منہ کھلتے دیکھ کر ڈر نہ لگا کرے کہ ابھی ان کی زبان سے کچھ ایسا کہا جائے گا جس پہ میرا دل برا ہو جائے گا۔ عجیب بات ہے مگر ان صاف گو منہ پھٹ دوستوں کے اپنے بارے میں جب کچھ کہا جائے تو آگ بگولہ ہو کر زمین آسمان ایک بھی کرتے ہیں۔)

"ذرا سی.... تکلیف؟" اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔ وہ بس دکھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ آپ کی اولاد کا دل اس ذرا سی تکلیف سے باہر اب تک نہ نکلا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بیٹے کے ہر تلخ فیصلے کے پیچھے آج بھی اسی تکلیف کا اثر دہا بیٹھا ہو۔ پتہ نہیں اگر یہ "تکلیف" ایسی ہے تو "تباہی" کیسی ہو گی؟" پھر سر جھٹکا اور سامنے نظر آتے سورج کو دیکھنے لگا۔

"ٹرائل کا فیصلہ آ جائے پھر میں اور سونیا یہاں سے شفٹ کر جائیں گے۔ میں نے آفس کے قریب ایک گھر لیا ہے۔ جب تک ہمارا نیا گھر تعمیر نہیں ہوتا' ہم وہیں رہیں گے۔"

جواہرات کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ "میں.... تمہارا گھر دیکھنے آ سکتی ہوں؟"

"نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا اور اندر چلا گیا۔ وہ دل مسوس کر بیٹھی رہ گئی۔

اندر ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل پہ دو کاغذات پڑے تھے۔ ایک اورنگزیب کی پوسٹ مارٹم رپورٹ جس میں موت کا وقت لکھا تھا۔ ایک اندازہ کہ اتنے سے اتنے بجے کے درمیان موت واقع ہوئی ہے اور دوسرا.... اس نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک ای میل تھی۔ جب اس رات جواہرات کمرے سے باہر آئی تھی تو اس نے ہاشم سے کہا تھا کہ اس کا جی میل کام نہیں کر رہا' تب ہاشم نے جواہرات کے فون سے اپنے فون پہ "یہ ہاشم ہے مام کے فون سے" لکھ کر ای میل بھیجی تھی۔ اس کے کوئی آدھے گھنٹے بعد انہوں نے اورنگزیب کو مردہ پایا تھا۔ اس ای میل کا وقت پوسٹ مارٹم میں لکھے موت کے وقت سے اوپر تھا۔ (جواہرات اورنگزیب کو قتل کر کے' خود کو سنبھال کر' کپڑے بدل کر کے' میک اپ کر کے باہر نکلی تھی۔ اس سب میں وقت لگا تھا۔) اس ٹائم اسٹیمپ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اورنگزیب کی موت اس وقت ہوئی' جب وہ کمرے میں تھی۔ ہاشم نے کرب سے آنکھیں موند لیں اور اس کاغذ کو مٹھی میں مروڑ دیا۔

(میں چاہتی ہوں علیشا کہ ہم انسان اپنے خودساختہ سچائی کے منع کو چہرے سے نوچ پھینکیں اور جان لیں کہ بدگوئی اور حق گوئی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ حق اور سچ میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ حق کہتے ہیں سچی بات کو درست موقعے اور درست جگہ پہ درست انداز میں کہنا۔ اسی لیے ظالم حکمران کے سامنے کلمہ سچ نہیں' کلمہ حق لگایا جانا جہاد ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے محل کے سامنے جا کر دہائیاں دینے لگ جاؤ بلکہ اس کے دربار میں کھڑے ہو کر جیسے انداز میں دلیل کے ساتھ اپنی بات پیش کرو اور اسے اس کے ظلم کا احساس دلاؤ۔)

فرش پہ ایک لکڑی کے پھٹے کے اوپر شاہ فرمان چت لیٹا تھا۔ اس کا جسم ڈکٹ ٹیپ سے بندھا نظر آ رہا تھا۔ سامنے ڈرل چارجنگ پہ لگی تھی اور وہ بار بار ضبط کرتا فارس کو دیکھ رہا تھا جو اب کرسی ڈالے اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

"تم دن میں ہوٹل سیکیورٹی دیکھتے ہو اور رات میں فری لانس کنٹریکٹر کے طور پہ کام کرتے ہو۔ بڑے بڑے لوگوں کے بڑے بڑے کام کر کے دیتے ہو۔ میری بیوی کو لفٹ میں ڈبونے کے کتنے پیسے دیے تھے کاردارز نے؟"

"پیسے کام کے.... بعد ملنے تھے۔"

"جیسے مجھے تو علم ہی نہیں کہ سارے کنٹریکٹرز آدھے پیسے پہلے لیتے ہیں۔"

"تم وہ پیسے لے لو۔ مجھے جانے دو۔" وہ کرسی سے اٹھا اور بوٹ سے اس کے منہ پہ ٹھوکر ماری۔

"مجھے تمہارے پیسے نہیں چاہئیں۔" اس کے دانت پہ لگی تھی۔ بھل بھل خون بہنے لگا۔ "میرا دل چاہتا ہے' اس رات کی اذیت کے بدلے... میں تمہارے جسم میں اس ڈرل سے اتنے سوراخ کروں کہ...." مارے ضبط کے اس نے زور سے آنکھیں میچیں۔ پھر گہری سانس

لے کر اسے دیکھا۔ "مجھے بتاؤ میں کیوں نہ کروں تمہارے ساتھ یہ سلوک؟"

"تم...تم میرے کلائنٹس کی لسٹ لے سکتے ہو۔ میں نے ان کے جو بھی کام کیے ہیں' تم وہ دیکھ سکتے ہو۔" وہ تیز تیز ہانپنے لگا تھا۔

فارس واپس کرسی پہ بیٹھا اور ڈرل مشین اٹھائی۔ ہوا میں بلند کر کے ٹریگر دبایا۔ زوں کی آواز سے وہ چلنے لگی۔ اس نے الٹ پلٹ کر اس کا جائزہ لیا۔ پھر اسے بند کر کے دیکھا۔ "اور تم نے "رسیدیں" سنبھال کر رکھی ہیں تا کہ بوقتِ ضرورت اپنے کلائنٹس کو بلیک میل کر سکو؟ واہ۔" وہ تلخی سے ہنسا تھا۔

"ہر کوئی ڈاکومنٹس سنبھال کر رکھتا ہے۔ اگر کبھی پکڑے جاؤ تو سیاستدان بچانے آجاتے ہیں۔"

"مجھے تمہارے سیاستدانوں میں دلچسپی نہیں ہے۔ ہاشم کاردار کے بارے میں بتاؤ۔" اس نے ڈرل مشین سامنے رکھ دی۔ شاہ فرمان کی نظریں ڈرل پہ جمی تھیں۔

"اس کی ماں کا....ایک کام کیا تھا میں نے۔" وہ تیزی سے بول اٹھا۔ فارس رک گیا۔ پھر سیدھا ہوا۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ "اچھا....کیسا کام؟ کسی کا قتل؟ اغوا؟"

"نہیں.....چھوٹا سا کام تھا۔ ڈاکومنٹس forgery۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

(اس لیے جاتے جاتے میں تمہیں ایک نصیحت کروں گی کہ تلخ لوگوں کو دوسروں پہ نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ میں آج خود کو اس خط کی قید سے آزاد کرتی ہوں۔ ہر شخص میں ہوتے ہیں دو بھیڑیے اور بدی کا بھیڑیا کبھی غالب آ بھی جائے اور بھلے انسان کا ماضی کتنا ہی داغدار کیوں نہ ہو جائے' مگر دوست وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کو یہ بتائے کہ تمہارا مستقبل اب بھی کورا ہے۔ بلینک۔ اس کو تم اب بھی پاکیزہ روشنائی سے لکھ سکتی ہو۔ کاش تم نے مجھے اس وقت یہ بتایا ہوتا۔)

اس رات فوڈ ایڈ آفس کا اوپری ہال تاریک تھا اور اس میں صرف ٹیبل لیمپ کی روشنی جلتی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس میز پہ چند کاغذ پھیلائے پرسوچ الجھی ہوئی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ بار بار کوئی تعلق بنانے کی کوشش کرتا۔ بار بار وہ ٹوٹ جاتا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ اب کرسی پہ بیٹھا تھا اور سر ہاتھوں میں گرائے سوچ رہا تھا۔

گھڑی اب رات کے تین بجا رہی تھی۔ وہ کاغذات دیوار پہ چسپاں کیے ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں قلم تھا اور مختلف نقطوں پہ نشان لگاتا پھر نفی میں سر ہلاتا۔

باہر صبح طلوع ہو چکی تھی۔

(اور میں چاہتی ہوں کہ تم جیسے دوست اپنے دوستوں کی نام نہاد بہتری اور بھلائی سوچنے کے بجائے اپنے آپ پہ توجہ دینے لگیں تو زیادہ اچھا ہو۔ میں حنین یوسف' یہ عہد کر چکی ہوں کہ اب میں کبھی اپنے دوستوں کے رویوں کو خود پہ طاری نہیں ہونے دوں گی اور ان کی وجہ سے اپنے آپ کو برا نہیں سمجھوں گی۔ میں اپنا ہیرو خود ہوں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

حنین۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انہیں کی شہ سے انہیں مات کرتا رہتا ہوں

ستم گروں کی مدارات کرتا رہتا ہوں

مور چال میں آج ٹی وی کا شور نہیں تھا۔ حنین اور ندرت کا بالآخر اس بات پہ اتفاق ہو گیا تھا کہ کچھ عرصے کے لئے ٹی وی کو پیک کر کے رکھ دیا جائے اور اسامہ سخت ناخوش تھا۔ فیصلہ بھی اسی کی پڑھائی کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ اس کا ٹیب بھی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

مگر جب سے ٹی وی خاموش ہوا تھا اس سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں کوئی انوکھا سا سکون در آیا تھا۔ سب کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ ذہن توانا تھے۔ آنکھیں تھکان زدہ نہیں تھیں۔ سب لاؤنج میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور صد شکر کہ موبائلز پہ نہیں لگے تھے۔

''اس شیطان کے ڈبے کو واقعی کچھ عرصے کے لئے پیک کر دینا چاہیے۔'' ابا بڑے ہی خوش تھے بار بار اظہار کرتے۔ ''عجیب ڈپریشن پھیلا کر رکھتا ہے گھر میں۔ اور اب دیکھو وقت میں برکت سی محسوس ہونے لگی ہے۔''

''بالکل۔'' اسامہ برے دل سے بڑبڑایا تھا۔ ابا نے نہیں سنا۔ وہ کچھ اور سوچنے لگے تھے پھر زمر کو دیکھا۔ ''فارس کہاں ہے؟''

''پتہ نہیں۔ میں نے تو کل سے اسے نہیں دیکھا۔ فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کچھ کام کر رہا ہے۔'' اس نے رسان سے بتایا۔

''زمر... وہ ٹھیک تو ہے؟'' ندرت نے اس کے پاس بیٹھتے پوچھ لیا۔ وہ چپ ہو گئی۔

''لگ تو ٹھیک رہا تھا۔'' اندر سے کچھ اس کو بھی کھٹکتا تھا۔

''مگر مجھے وہ ایسا لگا جیسا جیل سے آنے کے بعد لگتا تھا۔ اور سعدی کی گمشدگی کے دنوں میں۔ اسی طرح خاموش، عجیب سا۔'' وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

''کچھ معاملات ہمیں اتنے پریشان کرتے رہتے ہیں بھابھی کہ کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں پاتا۔ یا تو انسان ان کی وجہ سے گھل گھل کر ختم ہو جائے یا پھر اللہ تعالیٰ سے کہے، کہ یہ پریشانی میں نے آپ کے حوالے کر دی۔ جب تک میں آپ کے دوسرے بندوں کی مدد کر لوں اور لوگوں کے لئے اچھے کام کر لوں، تب تک آپ اس مسئلے کو خود سلجھا دیجئے گا۔'' وہ اندرونی خلفشار پہ قابو پا کر متانت سے بولی تھی۔ سب خاموش ہو گئے۔ گھر میں ویسے ہی بہت خاموشی محسوس ہونے لگی تھی۔

چند میل دور..... آفس بلڈنگ کے بالائی فلور پہ ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا کام میں مصروف تھا۔ جب انٹرکام بجا۔ اس نے کان سے لگایا۔ چہرے پہ چونکنے کے آثار نظر آئے۔

''فارس آیا ہے؟'' ذرا ٹھہرا۔ ''ٹھیک ہے اندر بھیجو۔'' اور عینک اتار کر رکھی، اور ٹیک لگائی۔ ٹائی ڈھیلی کیے، آستین موڑے، آنکھوں میں سپاٹ پن لئے، وہ منتظر سا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور چوکھٹ میں فارس نظر آیا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ سرسری نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہاشم کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آٹھہری۔

"کیسے آنا ہوا' کزن؟"

فارس قدم بقدم چلتا' گردن موڑ موڑ کر دیکھتا آگے آیا اور میز کے قریب آٹھہرا۔ پھر ہاشم کو دیکھا۔ "بے فکر رہو تمہاری سیکیورٹی مجھے چیک کر چکی ہے۔ کوئی خفیہ کیمرہ' وائر یا ہتھیار نہیں ہے میرے پاس۔" ذرا رکا اور مسکرایا۔ "میں آج تمہیں اپنی زبان سے مارنے آیا ہوں۔" ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھو نا۔" مگر فارس گردن موڑ کر ایکویریم کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا اسی میں مارا تھا تم نے آبدار کو؟" سرد سی ہوا کا جیسے تھپیڑا سا کمرے میں آ کر ساکن ہو گیا تھا۔ ہاشم نے بھی رخ موڑ کر آب زیدان کو دیکھا۔

"اس دن اس کی ساری مچھلیاں بھی مر گئیں۔ میں نئی مچھلیاں لایا بھی نہیں۔ شاید اس کا کانچ تک ذہر یلا ہو چکا ہے۔" فارس کرسی کھینچ کر بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا لیے۔ پھر افسوس سے ہاشم کو دیکھا۔ "تمہیں ترس نہیں آیا اس پر؟"

ہاشم نے شانے اچکائے۔ "وہ خود چاہتی تھی کہ میں اسے مار دوں۔ میں نے صرف اس کی خواہش پوری کی۔ مگر اسے اس سب میں تم نے دھکیلا تھا۔ تم مجھ سے زیادہ قصوروار ہو۔"

"ویسے اس سے فرق نہیں پڑتا مگر میرے اور اس کے درمیان کچھ بھی نہیں تھا۔"

"بعد میں سب یہی کہتے ہیں۔"

"واٹ ایور!" فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ چند لمحے کی خاموشی دونوں کے بیچ حائل ہو گئی۔

"خیر..... تم ابھی سے کیوں آئے ہو؟ حالانکہ ابھی تو تم لوگوں کو عدالتی فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ ویسے بھی میں نے ابھی اپنا آخری پتہ کھیلا نہیں ہے۔"

"تم پتے کھیل رہے تھے؟ میں تو شطرنج کھیل رہا تھا۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے' آج کل آگے پیچھے لوگوں کو ٹارچر کرتے پھر رہے ہو۔ کیوں میرا غصہ ان غریبوں پہ نکال رہے ہو؟" وہ دونوں بنا سانس لیے بات پہ بات پھینک رہے تھے۔

"غصہ تو بہت تھا مجھے' اور چند دن نکالتا بھی رہا۔ مگر اب..... ٹھنڈا ہو گیا ہوں' ویسے بھی اصل انتقام ٹھنڈا کر کے کھانے کا نام ہے۔"

"ہوں۔ سو کیوں آئے ہو؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تمہیں کچھ خاص بتانے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولا۔ "میں جانتا ہوں تمہارے باپ کو کس نے قتل کیا ہے۔"

ہاشم ایک دم زور سے ہنس دیا۔ "یہ تم اور سعدی میرے باپ کے قتل کے گرد سیاست کرنا کب چھوڑو گے؟"

"ہاشم میں واقعی تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے باپ کا اصل قاتل کون ہے۔" وہ اب سنجیدہ ہوا۔

"تم نے دیر کر دی۔ سعدی یہ کارڈ بہت پہلے کھیل چکا ہے اور اس کی وجہ سے میں نے خاور کو....."

"خاور نے نہیں مارا تمہارے باپ کو۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔ اور تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ کیونکہ میں جان گیا ہوں کہ میرے باپ کو میری ماں نے مارا ہے' صاحبزادی صاحبہ نے بتا دیا تھا مجھے۔" تلخی سے اسے دیکھتے وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ "مگر تم لوگ زیادہ خوش نہ ہو۔ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اور میں نے موو آن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاشم!" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھکا۔ ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔"

کمرے میں ایک دم بھیانک سا سناٹا چھا گیا۔ ہاشم کا سانس تھما۔

"سعدی' صاحبزادی صاحبہ' امر' سب غلط تھے۔ جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔"

"اوہ پلیز!" اس نے اکتا کر ہاتھ اٹھایا۔ آنکھوں میں بے پناہ بےزاری تھی۔ "اب کس تیسرے فریق پہ الزام ڈالنے آئے ہو؟ میرے پاس تمہاری کہانیوں کے لئے وقت نہیں ہے۔"

"مجھے تم پہ ترس آ رہا ہے مگر تم واقعی بے خبر ہو۔ میں تمہاری بے خبری دور کرنا چاہتا ہوں۔ آگہی عذاب ہے' اور میں چاہتا ہوں تم یہ عذاب چکھو۔"

"اچھا!" اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "پھر بتاؤ' اب کی دفعہ کس نے مارا ہے میرے باپ کو۔" فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں ترحم سے دیکھتا رہا' پھر لب کھولے۔

"تم نے خود!"

ہاشم پل بھر کو الجھا' پھر ستائش سے ابرو اٹھائے۔ "واؤ۔ اس سے اچھا طریقہ نہیں ملا تمہیں کسی کو ڈسٹرب کرنے کا؟" پھر افسوس سے سر جھٹکا۔ "واقعی فارس۔ میرے جیسے آدمی کو تم اب آ کر یہ کہو گے کہ خاور یا میری کسی حرکت کا دکھ لے کر میرا باپ مرا' یہ وہ..... تاکہ میں ڈپریشن میں چلا جاؤں' اور خود کو اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار سمجھوں؟ واٹ ربش!"

"تم نے اپنے باپ کا قتل کیا ہے۔ ہاشم!" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ آنکھیں ہاشم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ "تم ہو اپنے باپ کے اصل قاتل۔"

"اور اس ساری بے تکی کہانی کا کیا مقصد ہے؟ مطلب کس طرح مارا ہے میں نے اپنے باپ کو؟ہاں؟" اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

"جیسے مارا جاتا ہے۔ قتل کر کے۔" فارس نے شانے اچکائے۔

''میں جانتا ہوں میرے باپ کو کس نے مارا ہے۔ میری اپنی ماں نے۔ اور اس سارے معاملے کو میں کھوج رہا ہوں' مگر تمہاری اس ساری بکواس سے.....''

''جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔'' ہاشم دھاڑ سے اٹھا اور میز کی چیزیں پرے گرائیں۔

''ممی نے ہی اورنگزیب کاردار کو قتل کیا ہے۔ جانتا ہوں میں۔'' میز پہ مٹھیاں رکھے وہ اونچی آواز میں غرایا تھا۔ رنگت سرخ تھی اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ سکون سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''ہاں انہوں نے ہی مارا ہے اورنگزیب کاردار کو..... مگر یہ کس نے کہا کہ وہ تمہارا باپ تھا؟''

اور ہاشم کاردار کے جسم کا ہر عضو سن ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکن ہو گئیں۔ ہاتھ میز پہ رکھے رکھے جم گئے۔ نگاہیں اس پہ ہی پتھر ہو گئیں۔

''کس نے کہا ہاشم کاردار' کہ اورنگزیب کاردار تمہارا باپ تھا؟'' فارس اٹھ کھڑا ہوا۔ ''جواہرات نے بے شک اسے مارا ہے' مگر وہ تمہارا باپ نہیں تھا۔ تمہارا باپ جواہرات کا کزن طیب مطیع تھا۔''

ہاشم کے لب پھڑپھڑائے' مگر آواز نہ نکلی۔ اس کی سانس رک چکی تھی۔ جسم پتھر تھا۔ آنکھوں میں سرخی دوڑ رہی تھی مگر وہ کسی سکتے کے عالم میں فارس پہ جمی تھیں۔

''ایک پرائیوٹ کانٹریکٹر کو ایک کام دیا تھا جواہرات بیگم نے۔ جب تم نے اور تمہارے..... کیا کہنا چاہیے..... نقلی باپ اورنگزیب کاردار نے..... مائی بدعنوانی کے باعث جواہرات کے کزن کو جیل بھجوایا تھا اور خاص تمہارے حکم پہ اس کے اوپر تشدد کروایا گیا تھا تو تمہیں یاد ہو گا کہ اس تشدد سے وہ ہسپتال جا پہنچا تھا۔ جہاں گو کہ وہ مر گیا' مگر اس کے جو بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ آئی تھی' وہ درست نہیں تھی۔ کیونکہ جواہرات بیگم نے ایک کانٹریکٹر کو کہہ کر اصل بلڈ سیمپل لیب سے غائب کروا کے کسی اور مریض کی رپورٹس جمع کروا دی تھیں۔ مگر ان کانٹریکٹرز کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ یہ رسیدیں ضرور سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اس نوجوان نے اس بلڈ سیمپل کو ضائع کرنے سے پہلے اس کی بہت ساری رپورٹس نکلوائی تھیں' کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ امیر عورتیں عموماً ڈی این اے رپورٹس بدلوایا کرتی ہیں۔ اس نے مجھے رپورٹس دیں' اور میں نے ان کو تمہارے بلڈ بینک میں جہاں تم غریب لوگوں کے لئے خون کا عطیہ ہر چند ماہ بعد دیتے ہو اور ساتھ میں فوٹو شوٹ کرواتے ہو' تمہارے سیمپل کے ساتھ میچ کروا لیا۔ واٹ اے پرفیکٹ میچ۔ یقین نہیں ہے تو خود دیکھ لو۔'' اس نے جیب سے ایک تہہ شدہ لفافہ نکال کر میز پہ رکھا۔ آنکھیں ہنوز ہاشم پہ جمی تھیں جو ابھی پتھر ہوا کھڑا تھا۔ اسے لگا وہ سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔ پلک بھی نہیں جھپک رہا تھا۔

''سو اورنگزیب تمہارا باپ نہیں تھا۔'' فارس ٹہلتے ہوئے اب کہہ رہا تھا۔ ہاتھ ہلاتے ہوئے جیسے خود کو سمجھا رہا تھا۔ ''مگر طیب کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس جیسے بے کار' گھٹیا اور کنگال آدمی کا ایک شاندار سا بیٹا بھی ہے۔ کسی زمانے میں وہ امیر اور خوش شکل تھا مگر آخری وقت میں تو

کافی رذیل سا ہو گیا تھا۔" وہ اب ٹہلتے ٹہلتے ایکویریم کے قریب آ رکا تھا۔ انگلی اس نے شیشے کی دیوار پہ اس جگہ پھیری جہاں کبھی آبی نے سفید پڑتے ہاتھ رکھے تھے۔ "اسی لیے وہ آخری وقت تک جواہرات کو بلیک میل کر رہا تھا اور وہ تمہیں روکتی تھی کہ اس کو جیل میں نہ پھنکواؤ' مگر زیادہ کوشش اس نے بھی نہیں کی کیونکہ وہ اس کا اصل راز نہیں جانتا تھا۔ نہ ہی اورنگزیب کا کردار جانتے تھے۔" وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا' اور باہر تاریک رات اور شہر کی روشنیوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "اورنگزیب کو ہمیشہ نوشیرواں پہ شک ہوتا تھا مگر اس کی مشابہت ان سے بہت تھی۔ تم پہ کبھی شک نہیں کیا۔ لیکن تم ان جیسے نہیں تھے۔ اپنی ماں پہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اور نوشیرواں.... ہماری شکلیں اور آوازیں ملتی ہیں۔ ہم اور نگزیب جیسے ہیں۔ تم ویسے نہیں تھے۔ تم ہمیشہ مختلف تھے۔ تم علیشا جیسے بھی نہیں تھے۔ تم سب سے الگ تھے۔ کیونکہ تم کاردار تھے ہی نہیں۔" پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ سن کھڑا تھا۔ اس کی پیشانی تر تھی قطرے کنپٹی سے نیچے ٹپک رہے تھے..... مگر اسے سانس نہیں آتی محسوس ہوتی تھی۔ فارس اس کے قریب چلتا آیا۔

"دوسروں کے باپ کو مارتے یہ خیال آیا تھا کبھی ہاشم کہ اپنے باپ کے بھی قاتل نکلو گے ایک دن؟ اور جس کو تم ساری زندگی اپنا باپ مانتے رہے' جس کی سیاست بچانے کے لیے تم نے اہل اور نور سے ان کا باپ چھینا' وہ آدمی تو تمہارا کچھ لگتا ہی نہیں تھا۔" پھر اس پہ ایک تاسف بھری نظر ڈالی۔ "تم تاش کھیلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اور میں شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور اسے....." اس نے میز پہ رکھا لفافہ اٹھایا۔

"اسے شہ مات کہتے ہیں!" کاغذ زور سے ہاشم کے اوپر دے مارا۔ وہ اس سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ مگر برف اور آگ کے بت میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ فارس نے سر جھٹکا' اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایسے ہی کھڑا تھا اور اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

اگلا سفر کیسے تمام ہوا' کوئی اندازہ نہ تھا۔ کتنے دن بیتے' کتنی راتیں کاٹیں' کوئی احساس نہ تھا۔ بس من من بھر قدم اٹھاتا وہ چل رہا تھا۔ بال بکھرے تھے' حلیہ بے ترتیب تھا۔ اور وہ قصر کے سبزہ زار پہ قدم رکھتا جا رہا تھا۔ ملازم اسے دیکھ کر حیرت سے پیچھے ہٹنے لگے۔ اس کے ہاتھ میں ایک شیشے کا جار تھا جس کا منہ بند تھا اور وہ سامنے دیکھتا اس بھری دوپہر میں قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سیڑھیوں کے اوپر وہ دونوں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ جواہرات فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ "تم دوبارہ اس کے دوستوں سے پتہ کرو۔ وہ چار دن سے گھر نہیں آیا شیرو۔" وہ روہانسی لگتی تھی۔ شیرو "کرتا ہوں دوبارہ" کہہ کر فون پہ نمبر ملانے لگا تھا۔ تبھی جواہرات کی نظر نیچے پڑی جہاں لاؤنج کے کھلے دروازے کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سفید اور آنکھیں سرخ تھیں۔ جواہرات کی آنکھوں میں نمی در آئی۔ تیزی سے زینے اترنے لگی۔

"ہاشم تم کہاں تھے؟ اوہ گاڈ.... ہم سب کتنے پریشان تھے تمہارے لیے۔ تم ٹھیک ہو بیٹا؟" وہ پریشانی سے اسے دیکھتی قریب آئی۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ جار میز پہ رکھ دیا۔

"کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔ مت سنو لوگوں کی باتیں۔ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔" وہ اس کے سامنے کھڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا ہوا قدم بقدم قریب آنے لگا۔ جواہرات کو عجیب خوف سا آیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"میں نے نہیں مارا اورنگزیب کو۔ جھوٹ بولتے ہیں سب۔ اور تم..... تم اورنگزیب کی محبت میں مجھے بھلا بیٹھے ہو کیا؟" وہ آنسو بہاتی کہہ رہی تھی۔ اوپر کھڑا نوشیرواں ناگواری سے اسے دیکھے گیا۔ ہاشم اس کے قریب آ رہا تھا اور وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔

"کیا کیا اورنگزیب نے تم لوگوں کے لیے جو میں نے نہیں کیا؟ تمہارے ہر راز کی پردہ دار میں تھی۔ جو بھی کیا تمہارے لیے کیا میں نے۔ تم مجھے سب سے عزیز تھے۔ ہاشم میں نے تمہاری پرستش کی۔ تم مجھے سب سے عزیز ہو۔ شیرو سے بھی زیادہ۔ تم مجھے ایسے نہ دیکھو۔" وہ اب رونے لگی تھی۔ وہ اس کے بالکل قریب آ رکا۔ اسے گھورتے ہوئے ایک دم سے..... اس کی گردن دبوچی۔ جواہرات کے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"ایک ہی دفعہ پوچھوں گا۔ سچ سچ بتانا۔" سرخ انگارہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ رکھی تھی۔

"میرا باپ کون تھا؟ میرے ڈیڈ یا تمہارا وہ کزن طیب؟"

اور وہ ایک ایسا لمحہ تھا جب جواہرات کے سارے آنسو تھم گئے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔ وہ ایک عجیب ششدر سا لمحہ تھا۔ وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گئی۔

"کیا وہ میرا باپ تھا؟ بولو۔" وہ دبا دبا سا غرایا۔

اوپر کھڑا نوشیرواں سن ہو گیا۔ گرد و نواح کے کونوں میں کان لگائے کھڑے ملازموں نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیے۔ جواہرات کے لب پھڑپھڑائے۔ اس نے تھوک نگلا۔

"I can explain!"

اور ہاشم نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ ہاتھ نیچے گرا دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا درد ابھرا تھا جو جواہرات کی جان نکالنے لگا۔

وہ مڑ گیا۔ اور چند قدم آگے گیا۔ ابھی سب بت بنے کھڑے تھے۔ دم سادھے۔ سانس روکے۔

وہ میز تک گیا' جار اٹھایا' اس کا ڈھکن اتارا اور واپس اس کی طرف گھوما۔ "آج تم نے..... میرے ڈیڈ کو..... دوسری دفعہ مار دیا۔" اور یہ کہہ کر اس نے جار میں موجود پانی اس کے چہرے پہ پھینک دیا۔

یہ جواہرات کار دار کی چیخیں تھیں جنہوں نے وہاں کھڑے ہر شخص کو بتایا تھا کہ وہ پانی نہیں تھا۔

وہ تیزاب تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ (آخری قسط آئندہ ماہ انشاءاللہ)

(پوئٹری ایکٹیوٹی جو ماہ ستمبر میں رکھی گئی تھی، اس میں سے کچھ منتخب اشعار اس قسط کا حصہ تھے۔ جو آپ لوگوں کا انتخاب تھے۔ اگلے صفحے پہ اشعار آپ لوگوں کے نام کے ساتھ درج ہیں۔ دیکھنا نہ بھولیے گا۔)

لاسٹ پیج

نمل کی انتیسویں قسط میں "منتخب اشعار"

کچھ اور بڑھ گئے جو اندھیرے تو کیا ہوا

مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم (ربیعہ فرخ)

اِک بے کسی کا جال ہے پھیلا چہار سُو

اِک بے بسی کی دُھند ہے دل سے نگاہ تک (اقرا علی)

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا

کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے۔ (علینہ قریشی)

نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا، نہ روش وہ ابرِ بہار کی

جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاج بادِ صبا گیا

ابھی بادبان کو تہہ کرو ابھی مضطرب ہے رخِ ہوا

کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا.....!! (اُمِ احمد)

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے

ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا (زرنین زہرہ)

میری شناخت کے پتھر میں شکل باقی ہے

میرے وجود کے ذروں میں زندہ ہے کوئی (سارہ ناصر)

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ نہیں ہوتی

وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی۔ (سحر خان)

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے (عروسہ ملک)

پندار کے خوگر کو نا کام بھی دیکھو گے؟

آغاز سے واقف ہو انجام بھی دیکھو گے؟ (ماہم بنتِ مبشر)

عجب سوال کیا آندھیوں نے پتوں سے

شجر سے ٹوٹ کے گرنا بتاؤ کیسا لگا (زویا خان۔)